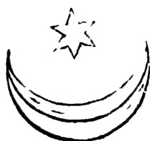
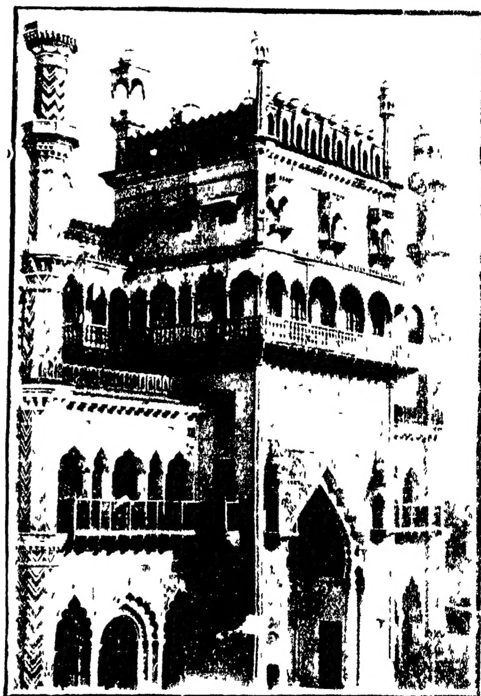
سوانح عمری
٨٨

سوانح عمری

۸۸



بشیر پاشا سیریز



تذکرہ

شمس العلما خواجہ حالی مرحوم

مرتبہ

محمد امین زبیری

ئی اسکول (اٹاوہ)

Title and inside Blocks printed by Taj Printing Works



تعنون

میں اس سلسلہ کو اپنے شاگرد رشید جوان مرگ بشیر پاشا مرحوم بی۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ کے نام سے معنون کرتا ہوں جس کی زندگی اور جس کی تعلیم و تربیت کا مقصد قوم کی تعلیمی خدمت تھی اور جس نے تکمیل تعلیم کر کے اپنی زندگی کو اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ کے لئے وقف کر دیا تھا۔

محمد الطاف حسین

تقریظ ۱۹۲۶

تذکرۃ المشاہیر ۷ ۳ ۶۹

نوجوانان قوم میں ملک اور قوم کی خدمتوں کا جذبہ پیدا کرنے اور ان کے حوصلے بڑھانے کے لئے ان مشاہیر قوم کی سوانح عمریوں کا مطالعہ جنھوں نے اپنے ملک اور اپنی قوم کی ترقیوں میں جانفشانیاں کی ہیں نہایت موثر ذریعہ ہے اور ہر ملک اور ہر قوم میں اس ذریعہ سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے اعظم الرجال کی بڑی بڑی سوانح عمریوں کے علاوہ خوشنما سائز اور عمدہ طباعت کے ساتھ کم قیمت لائف اسکیچ بکثرت شائع کئے جاتے ہیں لیکن ہندوستان میں مسلمانوں نے اس ذریعہ پر کچھ توجہ نہیں کی حالانکہ دوسری قومیں اسی ذریعہ سے بہت کچھ منافع حاصل کر رہی ہیں اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر میں نے اور مولوی بشیر الدین صاحب منیجر اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ نے ارادہ کیا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اس عصر جدید میں جن مشاہیر نے اپنی عمریں قومی خدمت اور ہمدردی میں صرف کی ہیں ان کے لائف اسکیچ شائع کئے جائیں۔ چنانچہ اس وقت اس سلسلہ کے چند نمبر شائع کئے جاتے ہیں اور میں اُن عزیزوں اور دوستوں کا شکر گزار ہوں جنھوں نے ہماری دلی خواہش کی تکمیل اپنا وقت صرف کر کے اور محنت اٹھا کر ان تذکروں کو مرتب کیا ہے خداوند تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے اور ہم کو اپنے ارادہ میں کامیاب کرے۔

میں اپنے پُر جوش نوجوان دوست سید عبد الجلیل صاحب کا جو بمبئی میں فن طباعت کی تکمیل کر رہے ہیں خاص طور پر شکر گزار ہوں کہ انھوں نے نہایت تنگ وقت میں تصاویر کے ایسے اچھے اور عمدہ بلاک خود تیار کر کے بطور امداد عنایت کئے اور اپنی نگرانی میں ان کو طبع کرایا۔

میں اپنے اہل قلم نوجوانان قوم سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ اس قومی خدمت میں ہماری مدد کر کے عند اللہ ماجور ہوں۔ اس سلسلہ کی اشاعت سے اگر کچھ فائدہ ہوا تو اسی سلسلہ کی توسیع میں صرف ہوگا۔

محمد الطاف حسین بی اے۔
ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی اسکول

(شمسی مشین پریس آگرہ میں محمد بشیر الدین خاں کے اہتمام سے چھاپا گیا)

۱

شمس العلماء خواجہ حافظ الطاف حسین صاحب حالی[۵۱]

(۱)

مولانا حالی پانی پت کے ایک مشہور عالی نسب انصاری خاندان کے رکن اور خواجہ ایزد بخش کے فرزند اصغر تھے۔

اُن کی ولادت ۱۲۳۷ھ؁ ۱۲۵۳ھ؁ میں ہوئی تھی اور ہنوز ۹ سال کی عمر بھی پوری نہ کی تھی کہ پہلے باپ کے ظل عاطفت سے اور پھر ماں کی آغوش شفقت سے محروم ہو گئے۔ لیکن اُن کے بڑے بھائی خواجہ امداد حسین نے باپ سے زیادہ شفقت کے ساتھ اُن کی پرورش کی اور تعلیم و تربیت پر توجہ رکھی۔ سب سے پہلے قرآن مجید حفظ کرایا گیا اور پھر درسی کتابیں شروع ہوئیں۔

مولانا نے فارسی کی تعلیم سید جعفر علی صاحب سے حاصل کی جو میر ممنون دہلوی کے بھیتجے تھے اور فارسی میں اعلیٰ دستگاہ اور مہارت تامہ رکھتے تھے۔ تعلیم مذہبی اور عربی کی تکمیل مولوی حاجی ابراہیم حسین

۵۱ میں مولوی عبدالرزاق صاحب مہتمم تاریخ تمدن اسلام بھوپال و مصنف البرامکہ و نظام الملک طوسی کا بےانتہا شکر گذار ہوں کہ جناب موصوف نے متعدد دلچسپ واقعات لکھوا کر تذکرہ کی تکمیل میں امداد دی۔

صاحب انصاری اور حاجی قاری مولوی عبدالرحمان صاحب انصاری سے کی قاری صاحب جید عالم اور محدث تھے اور قرآن مجید کا خاص طور پر درس دیتے تھے۔

۱۷۔ سال کی عمر میں مولانا کی شادی اپنے کنبے قبیلے میں ہو گئی یہ حسن اتفاق تھا کہ سسرال کی خوشحالی کے باعث متاہلانہ زندگی کے ترددات سے ان کو سابقہ نہیں پڑا اور اُن کی تعلیم کا سلسلہ برابر جاری رھا۔ اسی سلسلہ میں کچھ عرصہ دھلی میں بھی بسر کیا۔ دھلی مین اگرچہ مسلمانون کی عظمت و شوکت اور علم و فضل کا آفتاب ڈوب چکا تھا تاہم شفق کی کچھ روشنی باقی تھی اور اہل علم و فضل اور صاحبان کمال کا مجمع موجود تھا مولانا نے ان علماء و فضلا سے علمی استفادہ کیا۔

فطرت نے اُن کے خمیر میں اُن جوہروں کو بھی ودیعت کیا تھا جن سے انسان اصلی شاعر بنتا ہے لیکن اکتساب علوم کے زمانہ تک وہ جوہر مخفی رہے۔ جب اس سے فارغ ہوئے تو باکمال ارباب سخن کی صحبتوں نے ان جوہروں کو بھی چمکایا اور مشق سخن کا آغاز ہوا۔

اس کی نسبت خود مولانا نے کانپور میں مولوی عبدالرزاق صاحب سے فرمایا تھا کہ "قلعہ معلےٰ کے دیوان عام میں جو مشاعرہ ہوتا تھا وہاں میں نے

غالب کو فارسی اور اُردو غزلیں پڑھتے سنا اس سے مجھے شاعری کا شوق ہوا۔"

لیکن یہ صحبتیں اکتساب معاش کی فکروں کی وجہ سے جلد ختم ہو گئیں اور مولانا ۱۸۵۶ء میں ضلع حصار میں ملازم ہو گئے جس کو ۱۸۵۷ء کی پریشانیوں میں ترک کرنا پڑا اور اس عام پریشانی اور دار و گیر کے چند سال منطق و فلسفہ اور حدیث و تفسیر کی تکمیل میں گزارے اس کے بعد انھوں نے نواب محمد مصطفےٰ خاں[۱] کے بچوں کی تعلیم اور اتالیقی منظور کی اور ۱۸۶۳ء سے ۱۸۷۰ء تک جہانگیر آباد میں قیام رہا۔ نواب صاحب کی صحبت میں شعر و سخن کی ابتدا ہوئی اور جو کچھ لکھا اُس پر نواب صاحب نے اصلاح دی۔ لیکن قیام جہانگیر آباد کے زمانہ میں ہی غالب سے تلمذ حاصل کیا اور مستقل طور سے ان سے اصلاح لینی شروع کی۔ مرزا غالب اپنے سرمایہ

---

۱ دہلی کے رئیس اور جہانگیر آباد ضلع بلند شہر کے تعلقہ دار تھے۔ اردو میں شیفتہ اور فارسی میں حسرتی تخلص کرتے تھے۔ مفتی صدر الدین خاں آزردہ، نواب محمد ضیاء الدین خاں "نیر درخشاں"، اور مرزا غالب کے ہم جلیس اور ہم صحبت تھے۔ واقعہ غدر کے بعد دہلی کی سکونت ترک کر دی اور جہانگیر آباد میں رہتے تھے۔

فخر شاگرد کی سخن فہمی، قابلیت علمی اور جودت و ذکاوت کی بہت قدر کرتے تھے اور شاگرد کے دل میں اپنے استاد کا انتہائی احترام اور شیفتگی و گرویدگی تھی۔ اور یہی اثر غالب کے مرثیہ[۵] میں سوز و گداز کی صورت میں نمایاں ہے۔

(۲)

جہانگیر آباد کی ملازمت ترک کرنے کے بعد گورنمنٹ پنجاب کے دار الکتب میں مامور ہو گئے جہاں یہ خدمت سپرد تھی کہ کتابوں کی عبارت زمانہ حال کے مذاق کے مطابق درست کریں لیکن اس زمانہ میں یہاں ایسی سوسائٹی نہ تھی کہ ان کا دل لگتا۔ دہلی کے ارباب کمال کی صحبتوں کی یاد ہمیشہ مضطرب رکھتی تھی اس لئے وہ پریشان رہتے تھے۔ آخر یہ پریشانی دور ہوئی اور پھر وہ اینگلو عربک اسکول دہلی کی مدرسی پر مامور ہو کر دہلی میں ہی آ گئے، مگر قسمت پھر لاہور لے گئی اور ایچیسن کالج میں متعین ہوئے اب لاہور میں

---

[۵] غالب کے انتقال کے دن جو ۲ ذی قعدہ ۱۲۸۵ھ مطابق فروری ۱۸۶۹ء کو ہوا مولانا حالی۔ مرزا قربان علی بیگ سالک، میر مہدی مجروح تینوں شاگرد موجود تھے اور تجہیز و تکفین میں شریک ہوئے اور تینوں نے مرثیے بھی لکھے لیکن مولانا حالی کا مرثیہ بہت پر درد اور بلند ہے۔

ارباب کمال کی سوسائٹی بھی قایم ہو گئی تھی۔

مولانا کو مشقِ سخن شروع کرنے کے تھوڑے عرصہ بعد ہی صف شعرا میں امتیازی جگہ مل گئی تھی مگر جب کرنل ہالرائڈ ڈائرکٹر تعلیمات پنجاب نے لاہور میں ایک مجلس مشاعرہ قایم کی جس میں بجائے مصرعۂ طرح کے کسی خاص عنوان پر شعرا کو طبع آزمائی کا موقع دیا جاتا تھا اور اس میں مولانا نے قدیم رنگ کو چھوڑ کر برکھارت، نشاط امید، مناظرہ رحم و انصاف، حب وطن کے نام سے جدید طرز کی نظمیں پیش کیں جو جذبات کا مرقع اور واردات حالیہ کا آئینہ تھیں تو ان نظموں نے مولانا کا درجہ اپنے ہم نشینوں سے بہت بلند کر دیا۔ لیکن رفعت و کمال کے یہ ابتدائی مدارج تھے۔ وہ جوہر جو قدرت نے اِن کو عطا کئے تھے ابھی تک جلوہ گاہ عام پر نہ آئے تھے۔

(۴)

۱۸۷۶ء کے بعد ان کی طبیعت پر ایک قسم کی افسردگی طاری ہو گئی تھی اور شعر و سخن سے دل پھیکا ہو گیا تھا ان کے دل پر سرسید کی ملاقات سے ایک عجیب اثر پڑا اور اسی اثر سے وہ جوہر اس طرح چمکے جیسے پردۂ شب سے آفتاب عالمتاب

نمایاں ہوتا ہے جس کا سب سے بھلا کرشمہ "مدوجزر اسلام" تھا جس نے حالی کے نام کا سکہ ہر ایک مسلمان کے دل پر قائم کر دیا۔

یہ مسدس ۱۸۷۹ء میں ختم ہوا اور مولانا نے خود ہی اُس کو طبع کرا کے سرسید کے پاس بھیجا۔ سرسید نے اسکی رسید میں جو خط مولانا کے نام بھیجا تھا جس کو اس مسدّس کا تبصرہ اور مولانا کی محنت و جانکاہی کا ایک قابل قدر اعتراف کہا جا سکتا ہے وہ یہ تھا کہ :-

جناب مخدوم و مکرم من! عنایت نامہ جات مع پانچ جلد مسدس پہنچے جس وقت کتاب ہاتھ میں آئی جب تک ختم نہ ہوئی ہاتھ سے نہ چھوٹی اور جب ختم ہوئی تو افسوس ہوا کہ کیوں ختم ہو گئی اگر اس مسدس کی بدولت فن شاعری کی تاریخ جدید قرار دی جائے تو بالکل بجا ہے۔ کس صفائی اور خوبی سے یہ نظم تحریر ہوئی ہے۔ بیان سے باہر ہے۔ تعجب ہوتا ہے کہ ایسا واقعی مضمون جو مبالغہ جھوٹ، تشبیہات دور از کار سے جو مایۂ ناز شعرا و شاعری ہے بالکل مبّرا ہے۔ کیونکر ایسی خوبی و خوش بیانی اور موثر طریقہ پر ادا ہوا ہے۔ متعدد بند اس میں ایسے ہیں جو بے چشم نم پڑھے نہیں جا سکتے۔ حق ہے جو دل سے نکلتی ہے دل میں

بیٹھتی ہے - نثر بھی نہایت عمدہ او نئے ڈھنگ کی کی ہے - پرانی شاعری کا خاکہ نہایت لطف سے اڑایا ہے یا ادا کیا ہے میری نسبت جو اشارہ اس نثر میں ہے اس کا شکر کرتا ہوں اور آپ کی محبت کا اثر سمجھتا ہون - اگر پرانی شاعری کی کچھ بو اُس میں پائی جاتی ہے تو صرف انہی الفاظ میں ہے - جن میں میری طرف اشارہ ہے - بیشک میں اس کا محرک ہوا اور اس کو میں اپنے اُن اعمال حسنہ میں سے سمجھتا ہوں کہ جب خدا پوچھے گا کہ تو کیا لایا میں کہونگا کہ حالی سے مسدس لکھوا لایا ہون اور کچھ نہیں ،، خدا آپ کو جزائے خیر دے اور قوم کو اس سے فایدہ بخشے - مسجدون کے اماموں کو چاہیئے کہ نمازوں میں اور خطبوں میں اسی کے بند پڑھا کریں - آپ نے یہ نہیں ارقام فرمایا کہ کس قدر کتابیں چھپی ہین اور کیا لاگت لگی ہے اور فی کتاب کیا قیمت مقرر کی ہے نہایت جلد آپ اِن جملہ امور سے مجھے مطلع فرمائیے یہ بھی لکھیئے کہ بعد تقسیم یا فروخت کس قدر کتابیں اب موجود ہین -

آپ کے اس خیال کا کہ حق تصنیف مدرستہ العلوم کو دیا جاوے اور رجسٹری کرادی جاوے مین دل سے شکر کرتا ہون

مگر مین نہین چاہتا کہ اس مسدس کو جو قوم کے حال کا آئینہ اور ان کے ماتم کا مرثیہ ہی کسی قید سے مقید کیا جاوے جس قدر چھپے اور جس قدر وہ مشہور ہو اور لڑکے ڈنڈون پر گاتے پھرین اور رنڈیان مجلسون مین طبلہ سارنگی پر گاوین، قوال درگاہوں مین گاوین۔ حال لانے والے اس سچے حال پر حال لاوین اُسی قدر مجھ کو زیادہ خوشی ہوگی۔ میرا تو دل چاہتا ہے کہ دہلی مین ایک مجلس کرون جس مین تمام اشراف ہون اور رنڈیان بُلواؤن مگر وہ رنڈیان بھی مسدس گاتی ہون مین اس کل مسدّس کو تہذیب الاخلاق مین چھاپون گا۔ میرے ان استفسارات کا جواب جن پر نشان درج کردیا ہے بہت جلد مرحمت ہو، والسلام۔

خاکسار آپ کا احسان مند تابعدار

سید احمد

شملہ۔ پارک ہوٹل۔ ۱۰ / جون ۱۸۷۹ء

اس مسدس نے چند ہی سال کے اندر اطراف واکناف ملک
مین وہ شہرت وقبولیت حاصل کی کہ آج تک ہندوستان مین
کسی انسانی کتاب کو نصیب نہین ہوئی - مولود شریف کی
مجلسوں مین جابجا اس کے بند پڑھے جاتے ہین - اور
واعظون کی زبان پر اس کے اشعار جاری رہتے ہین
اکثر لوگ اس کو پڑھ کر بے اختیار روتے اور آنسو بہاتے ہین
تقریرون اور تحریرون مین اثر اور دل چسپی پیدا کرنے کے
لیئے اس کے بند کے بند استعمال ہوتے ہین اور اس مین
شک نہین کہ اس مسدس نے مسلمانون کے تاریک دل
ودماغ کو منور کر دیا اُن کے مردہ احساسات مین روح پیدا
ہوگئی اور خفتہ جذبات بیدار ہوگئے - گذشتہ اور موجودہ
حالت کا مرقع سامنے رہنے لگا اور یہ حقیقت نفس الامری
ہے کہ سر سید کے مشن کو اس "مدوجزر اسلام" نے وہ تقویت
دی کہ اگر اس زمانہ کے تمام لٹریچر کیساتھ اس کا موازنہ کیا جائے
تو اسی کا پلہ بھاری ہوگا -

اس مسدس نے اس طبقہ پر بھی اثر ڈالا جو سر سید سے
وحشت کرتا تھا اور دور بھاگتا تھا یا جو مخالف تھا اور سر سید کی

کوششون کا ردِ عمل کرتا تھا۔

تقریباً نصف صدی گذرنے پر بھی اسکی قبولیت مین کوئی فرق نہین آیا صدہا مرتبہ شایع ہوا اور ہنوز اشاعت کا سلسلہ برابر جاری ہے[۵] ۔ بعض قومی مدارس مین اس کا انتخاب بچون کو پڑھایا جاتا ہے۔ ممالک متحدہ کے سرکاری مدارس مین عام قبولیت کی وجہ سے نصاب تعلیم مین داخل رہا۔

مولانا نے پھر چھ برس بعد مقتضائے حال کے موافق ایک ضمیمہ کا اضافہ کیا جس مین مایوسی کی جگہ امید کی جھلک تھی اس مسدس کی قبولیت طبقہ وسطےٰ اور طبقۂ غربا ہی تک نہین ہے بلکہ امرا کے محلون اور والیانِ ملک کے ایوانون مین بھی اس کا نغمہ پرسوز سامعہ نواز ہے۔ علیا حضرت نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ تاج ہند جی، سی، ایس، آئی، جی، سی، آئی، ای وجی، بی، ای، فرمانروائے بھوپال نے

---

[۵] سب سے اخیر اور نادر نسخہ وہ ہے جو منشی رحمت اللہ رعد مالک نامی پریس نے شایع کیا ہے اس مین فرہنگ کے علاوہ متعدد نقشہ جات ہین جو قابل دید ہین۔

تو اس مسدس کی وہ قدر دانی کی ہے[۵۱] جسکی نظیر مشکل ہے۔
غالباً سنہ ۱۹۱۱ء مین حضور ممدوحہ نے مندرجہ ذیل اشعار کی اپنے قلم مبارک سے آئل پینٹنگ کی نہایت اعلیٰ درجہ کی تصویر بنائی جو حضور ممدوحہ کے حسن مصوری کا بہترین نمونہ ہے۔

---

۵۱ حضور ممدوحہ کی قدر شناسی اسی پر ختم نہین ہوئی بلکہ سنہ ۱۹۱۶ء مین جب خواجہ سجاد حسین حالی میموریل اسکول کی امداد کے لئے بھوپال آئے اور ہر ہائینس سے ملاقات کی تو بہت سی باتین ہوئین سلسلہ گفتگو کو اس قدر طوالت ہوئی کہ خواجہ صاحب بخیال تصدیعہ اصل مقصد عرض نہ کر سکے۔ جب رخصت کی اجازت چاہی تو حضور ممدوحہ نے ارشاد فرمایا کہ:۔

"خواجہ صاحب جس مقصد سے کہ آپ نے بھوپال کا سفر کیا ہے ابھی اس پر تو گفتگو ہی نہین ہوئی مین مولانا حالی مرحوم کی یادگار قایم کرنا ہر مسلمان کا فرض سمجھتی ہون مین نے اُن کی قومی نظمون کا مطالعہ کیا ہے اور مجھے معلوم ہے کہ قومی اصلاح مین ان نظمون کا کیا اثر ہے۔ مین ضرور اس میموریل مین مدد دون گی"

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آیندہ)

ملے کوئی ٹیلہ اگر ایسا اونچا — کہ آتی ہو واں سے نظر ساری دنیا
چڑھے اس پہ پھر اک خردمند دانا — کہ قدرت کے دنگل کا دیکھے تماشا

تو قوموں میں فرق اس قدر پائیگا وہ
کہ عالم کو زیر و زبر پائے گا وہ

وہ دیکھے گا ہر سو ہزاروں چمن واں — بہت تازہ تر صورت باغ رضواں
بہت ان سے کمتر پہ سرسبز و خنداں — بہت خشک اور بے طراوت مگر ہاں

نہیں لائے گو برگ و باراں کے پودے
نظر آتے ہیں ہونہار ان کے پودے

پھر اک باغ دیکھے گا اجڑا سراسر — جہاں خاک اڑتی ہے ہر سو برابر
نہیں تازگی کا کہیں نام جس پر — ہری ٹہنیاں جھڑ گئیں جسکی جل کر

نہیں پھول پھل جس میں آنے کے قابل
ہوئے روکھ جس کے جلانے کے قابل

جہاں زہر کا کام کرتا ہے باراں — جہاں آکے دیتا ہے رو ابر نیساں
تردد کا جو اور ہوتا ہے ویراں — نہیں راس جس کو خزان و بہاراں

یہ آواز پیہم وہاں آرہی ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱ - چنانچہ شام ہی کو بارہ سو روپیہ سال کی امداد کا حکم خواجہ صاحب کے ہاتوں میں تھا۔

کہ اسلام کا باغ ویران یہی ہے

اس کے بعد مولانا اگست ۱۸۸۰ء مین علیگڈھ تشریف لے گئے متعدد دفعہ مدرستہ العلوم کو دیکھا اُس وقت اُس کی ابتدائی حالت تھی اس کے قیام کو چھ سال ہی گذرے تھے، عمارتون کی کچھ کچھ تعمیر شروع تھی ساتھون نے بورڈرون کے رہنے سہنے اُن کی طرز معاشرت، تعلیم اور اخلاق و تربیت پر نظر کی اور ایک خاص اثر لے کر وہان سے واپس آ کے دھلی پہنچکر اسی اثر مین مولانا نے یہ ترکیب[۵۱] بند نظم کیا۔

ترکیب[۵۱] بند

جھٹ پٹے سے وقت گھر سے ایک مٹی کا دیا — ایک بڑھیا نے سر رہ لا کے روشن کر دیا
تاکہ رہ گیر اور پردیسی کہین ٹھوکر نہ کھا ئین — راہ سے آسان گذر جائے ہر ایک چھوٹا بڑا
یہ دیا بہتر ہے ان جھاڑون سے اور اس لیمپ سے — روشنی محلون کے اندر ہی رہے جن کی سدا
گر نکل کر ایک ذرا محلون سے باہر دو گئے — ہے اندھیر گھپ در و دیوار پر چھایا ہوا
سرخ رو دریا مین وہ حاجت روا اینا رہین۔

---

[۵۱] افسوس ہے کہ یہ ترکیب بند مولانا کے مجموعہ نظم کی جدید اشاعتون مین مخفی ہے

روشنی سے جن کی ملاحوں کے بیڑے پار ہیں

ہم نے ان عالی بناؤن سے کیا اکثر سوال
آشکارا جن سے ہے ان کے بانیونکا ہی جلال

شان و شوکت کی تماری ہو ہوم ہی آفاق مین
دور سے آ آکے تمکو دیکھتے ہین باکمال

قوم کو اس شان و شوکت سے تمہاری کیا ملا
دو جواب اس کا اگر کہتے ہو یارا مقال

سرنگون ہو کر وہ سب بولین زبان حال سے
ہو سکا ہم سے نہ کچھ الا انفعال لا انفعال

بانیون نے تھا بنایا اس لئے گویا ہمین
ہم کو جب دیکھین خلف اسلاف کو رویا کرین

شوق سے اس نے بنایا مقبرہ ایک شاندار
اور چھوڑا اس نے ایک ایوان عالی یادگار

ایک نے دنیا کے پودے باغ مین اپنے لگائے
ایک نے چھوڑے دفینے سیم و زر کے بے شمار

اک محب قوم نے اپنے مبارک ہاتھ سے
قوم کی تعلیم کی بنیاد ڈالی استوار

ہو گی عالم مین کبھو سرسبز یہ پھیلی مراد؟
یا وہ اگلونکی امیدین لائینگی کچھ برگ و بار

چشمہ سرچیون ہے ہے جو بہتا رہے گا یہان وہی
سب اُتر جائینگی چڑھ کر ندیان برسات کی

دور سے امید نے جھلکی سی ایک دکھلائی ہے
ایک کشتی ڈوبتے بیڑے کو لینے آئی ہے

قوم کے پیر و جوان سب ہو گئے تھے مردہ دل
دردمندی جوش مین چند اہل دل کے لائی ہے

پاؤ گے تاریخ مین ہرگز نہ تم اس کی مثال
سلطنت نے قوم کی جو یہان مدد فرمائی ہے

غیر قومون نے بھی کی ہر طرح ہمدردی ادا
یہ بنا چلتی ہوا تک کو بھی دل سے بھائی ہے

آؤ ہم بھی اسے عزیز و مغتنم سمجھین اسے
اک ضروری کام اپنا کم سے کم سمجھین اسے

یہ مبارک گھر نزولِ خیر و برکت ہے جہان — جسکی پیشانی سے ظاہر ہین سعادت کے نشان
یہ نہالِ تازہ جس کو اک زمین شور مین — خرم و سرسبز کرنا چاہتے ہین باغبان
یہ مسیحائی علاج اس درد بے درمان کا — لادوا ٹھیرا چکے جس کو اطبائے زمان
یہ نمونہ اس عزیز مصر کا جس نے ستم — جنکے ہاتھون سے سہے دی قحط سے انکو امان

عہد و پیمان اے عزیزو تم سے کچھ لینے کو ہے
قوم کو پھر برکتین بے انتہا دینے کو ہے

آ رہی ہے اس مکان کے گوشہ گوشہ سے صدا — قوم اگر سمجھے تو ہون مین قوم کا حاجت روا
ہے کوئی اکسیر دنیا مین تو ہون اکسیر مین — اور اصل کیمیا کچھ ہے تو مین ہون کیمیا
ہاتھ آجاتا سکندر کو اگر میرا سراغ — چھوڑ دیتا جستجوئے چشمۂ آب بقا
میرے جو حامی ہین انکی یون پھلینگی کوششین — ایک دانہ سے ہون خوشے جسطرح پیدا

ہے عبث گر قوم نے بے وقت پہچانا مجھے
برکتین ان پر جنہون نے وقت پر جانا مجھے

ان سے کہدو قوم مین ہین جو کہ عالی خاندان — یا جنہین جاگیر و منصب پر ہی ناز بیکران
کیا لئے بیٹھے ہو فخر منصب و جاگیر کو — منصب و جاگیر ہین سب کوئی دن کے مہمان
تم نہین رتبہ مین بڑھ کر تغلق و تیمور سے — تنگ ہے آج انکی نسلون پر زمین و آسمان

چھوڑ جاؤ واسطے اولاد کے کوئی سپہر — ورنہ وارا پنا کرے گی گردشِ دورِ زمان

آؤ یا نہ ہو عہد مجھ سے اور میرا ساتھ دو

میرا سودا نقد ہے اس ہاتھ دو اس ہاتھ لو

مین تمھین پستی سے پہنچاؤنگا تا اوجِ کمال — مین تمھین دیکھونگا جب گرتا ہوا لونگا سنبھال

مین بناؤنگا تمہارے کام سب بگڑے ہوئے — مین سوجھاؤنگا زمانہ کی تمھین سب چال ڈھال

جو کرینگے آج میری دست و بازو سے مدد — مین سدا کرتا رہونگا ان کی نسلون کو نہال

قوم کا حامی ہون اور اسلام کا یاور ہون مین — لوگ دار الکفر سمجھین مجھکو یا دار الضلال

مین دکھاؤنگا کہ جو دشمن تھے میرے نام کے

تھے حقیقت مین وہ دشمن قوم اور اسلام کے

ملک مین عزت سے رہنا مین سکھاؤنگا تمہین — سلطنت کا معتمد بننا بتاؤنگا تمہین

قابلیت تم مین بڑھنے کی ہے دیکھون کسقدر — بڑھ سکوگے جسقدر اتنا بڑھاؤنگا تمہین

تب یہ سمجھوگے کہ ہم سوتے تھے کیسے بیخبر — دفعتاً جب خوابِ غفلت سے جگاؤنگا تمہین

یاد ہوگا تمکو وہ کھویا ہوا اپنا خطاب — پھر مخاطب "خیرِ امت" کا بناؤنگا تمہین

مجھکو دیکھو گر میرے دعوون مین ہو کچھ اشتباہ

روز روشن آپ اپنی روشنی پر ہے گواہ

بارک اللہ اے ریاضِ علم اے عین الحیات — ہے ہمارے بخت و دولت کی عنان اب تیرے ہاتھ

ہو تو ہو اب روشنی تیری دلیلِ کاروان — چار سو کالی گھٹا چھائی ہے اور کالی ہے رات

قوم سے تو بھی یونہیں جہل اور تعصب کو مٹا | جس طرح دینِ حنیفی سے مٹے لات و منات
چھوڑ جائینگے جہاں میں جو کہ تجھ جیسے نشان | چھوڑ جائینگے وہی کچھ باقیاتُ الصالحات

ایک باہمت جماعت جب کہ تیرے ساتھ ہے
ہم سمجھتے ہین تیرے سر پر خدا کا ہاتھ ہے

تو سدا آباد رہ اے قوم کے امیدگاہ | اے یگانوں اور بیگانوں کے یکساں خیرخواہ
دیکھتے ہین غیر حیرت اور تعجب سے تجھے | قوم نے اب بھی اگر سمجھا نہ تجھ کو آہ آہ
اپنے حامی آپ ہیدا اگر کہ کوہ سربلند | اپنی پونجی سے ہے آپ اپنے لیے پشت و پناہ
خیر کی امید رکھنی ہے عبث اُس قوم سے | آپکو جس نے کیا ہو اپنے ہاتھوں سے تباہ

چارہ آخر کچھ نہیں حالی بجز صبر و سکون
کر دعا اب اَهْدِ قَوْمِیْ اِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔



مولانا کی طبیعت نوکری کے قابل نہ تھی اس لئے وہ ہمیشہ پریشان رہتے تھے مگر جب ۱۸۸۸ء مین نواب سر آسمان جاہ وزیر دولتِ آصفیہ نے ان کا وظیفہ علمی مقرر کر دیا تو وہ ملازمت سے سبکدوش ہو گئے اور اگرچہ خانگی تردد و آلام کا سلسلہ موجود تھا اور صحت بھی اکثر و بیشتر خراب رہتی تھی لیکن اب زیادہ وقت تصنیف و تالیف، مطالعہ اور کتب بینی مین گذرتا تھا۔

وہ اکثر آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاسون مین شریک ہوتے اور اپنی پُر درد نظمون سے مسلمانون کے دلون کو گرماتے۔

سنہ ۱۸۹۱ء مین جب اُنھون نے علیگڈہ کے اجلاس مین ایک ترجیع بند سنایا جس مین متوسط درجہ کے لوگون کی حالت کو فقرا اور اغنیا دونون کی حالت سے بہتر دکھایا تھا اور انھین کے ساتھ تمام قومی امیدون کو وابستہ کیا تھا تو اجلاس پر ایک عجیب عالم طاری ہوگیا تھا کیونکہ شرکاء اجلاس مین یہی طبقہ بہت زیادہ تھا جس کو مولانا نے خطاب کیا تھا۔

نظم کے ختم ہونے پر سر سید نے بے اختیار اجلاس کو مخاطب کر کے کہا کہ:۔

"اے دوستو! آج یہ نظم جو مولانا حالی نے پڑھی ایک عجیب نظم ہے کہ شاید ایسی نظم فارسی اُردو اور عربی مین بھی کسی شاعر نے نہین لکھی۔ یہ نظم نصیحت دیتی ہے ان لوگون کو جن کے دل اس دنیا کی دولت اور ترقی مین پھنسے رہتے ہین اور متوسط درجہ کے لوگون کو ایک نتیجہ بتاتی ہے کہ وہ باتین جو ان کو نصیب ہوئین اعلیٰ سے اعلیٰ دولتمندون کو بھی نصیب نہین شاعری جو مدت سے ہندوستان مین جاری ہے وہ سب لوگ یقین کرینگے

کہ ان کے مضامین کے بیان کرنے سے کوئی خوشی شاید کانون کو ہوتی ہو مگر
دل مین اثر کرنے والی نہین ہوتی۔ لیکن جو طریقہ ہمارے مخدوم نے
اختیار کیا ہے وہ ایسا مشکل ہے کہ اس کا اختیار کرنا ہر ایک کا
کام نہین ہے۔ جذبات انسانی کو سہل الفاظ مین بیان کرنا اس
طرح کہ لوگون کے کان مین پڑتے ہی دل مین کام کر جائے مولانا
حالی ہی کا کام ہے ہم کو خدا کا شکر کرنا چاہیئے اور فخر کرنا چاہیئے
کہ ہماری قوم مین ایک ایسا شخص پیدا ہوا۔ آئندہ زمانہ مین جو
کہا جاوے گا کہ فخر قوم، فخر شعراء، فخر علماء، اور زندہ کرنے والا
اور راہ بتانے والا اندرونی جذبات کا اور ان سے نجات دینے
والا قوم کا کون ہے تو کہا جاوے گا کہ حالی،،

وہ اسی سال سرسید کے ہمراہ ڈیپوٹیشن مین حیدر آباد بھی گئے
تھے جہان نواب وقار الامرا کی صدارت مین ایک عظیم الشان
جلسہ بشیر باغ مین منعقد ہوا تھا جس مین مولانا اور مولانا شبلی
نے اپنی نظمین جو اس موقع کے لئے لکھی تھین سنائین۔ مولانا
حالی نے ایک قصیدہ پڑھا تھا جس مین نواب سر آسمان جاہ
اور دیگر امرا کی عنایتون کا شکریہ اور اعلیحضرت کی مدح اور
ایڈریس قبول کرنے کے تذکرہ کے بعد اس سفر کا مدعا اور حیدر آباد

سے قومی امیدون کی وابستگی کا اظہار تھا تو اس وقت ایک عجیب سمان بندہ گیا تھا۔

نواب وقار الامرا پر خاص اثر ہوا اور اُنھون نے "محل فلک نما" پر مولانا حالی اور مولانا شبلی کو مدعو کر کے پھر دو بارہ یہ نظمین سُنین اور اس مین شک نہین کہ ان نظمون نے وہان اُمرا کو بہت متاثر کیا۔

غرض اُن کی طبیعت کے سوز و گداز اور اُن کے ہمدردانہ جذبات اور اُن کے فضل و کمال نے قوم کے تمدن و معاشرت اخلاق و عادات اور لٹریچر پر ایک زبردست اور دیرپا اثر ڈالا اور جب تک ان مین طاقت رہی مختلف صورتون مین اپنے شاعرانہ کمال کو ان ہی مقاصد پر صرف کرتے رہے لیکن اسی کے ساتھ بذات خاص مالی امدادون کے لیے بھی کوشش کرتے رہتے تھے چنانچہ جب ۱۸۹۵ء مین سرسید لاہور گئے ہین تو مولانا نے بڑی سرگرمی سے پانی پت اور کرنال مین چندہ جمع کیا اور واپسی مین سرسید کو پانی پت مین ٹھیرا کر تین ہزار سے زاید رقم پیش کی۔

سرسید میموریل فنڈ اور یونیورسٹی کی تحریک کو بھی اُنھون نے

اپنی نظمون اور کوششون سے تقویت دی۔
لاہور کے جلسہ کی تقریر جو یونیورسٹی کے رزولیوشن کی تحریک کے متعلق ہے یونیورسٹی کے بنیادی لٹریچر مین ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔
وہ نواب محسن الملک کی خوبیون کے بڑے قدرشناس تھے اور سرسید کے بعد جو مشکلات رونما ہوگئی تھین اُن کے دور کرنے مین باوجود ناسازی مزاج برابر کام کرتے رہتے تھے۔ کانفرنسون اور جلسون مین شریک ہوکر قوم مین جوش پیدا کرتے تھے۔
مولانا کو سررشتۂ تعلیم کی ملازمت کی وجہ سے تعلیمی معاملات مین بھی کافی تجربہ تھا اور پھر تعلیمی مجالس کی شرکت اور اُن مین تبادلہ خیالات نے اُن کو زبردست ماہرِ تعلیم بنادیا تھا اس لحاظ سے ۱۹۰۸ء مین اجلاس کانفرنس منعقدہ کراچی کے صدر منتخب ہوئے اور اُنھون نے اس اجلاس مین ایک نہایت شاندار خطبہ صدارت پیش کیا جس کا ابتدائی حصہ جب مین نواب محسن الملک کا تذکرہ تھا بہت دردناک تھا جس کو پڑھتے ہوئے مولانا خود آبدیدہ ہوگئے اور ۳۰ منٹ سے زیادہ نہ پڑھ سکے اور مولوی وحیدالدین صاحب سلیم نے پورا کیا اِسکے

بعد مولانا نے سندھ کا وہ تعلق جو اسلام اور علوم اسلام کے ساتھ رہا ہے اُسکی علمی رفعت اور پھر موجودہ زبون وخراب حالت پر تبصرہ کرنے کے بعد اُس کی تعلیمی و تمدنی اصلاحات کی تجاویز بیان کین پھر اُنھون نے یہ دکھا کر کہ عالم اسلامی مین تعلیمی تحریک کس طرح شروع ہے روسی مسلمانون کی تعلیمی جد و جہد اور تعلیمی فیاضیون کا تذکرہ کیا اور دکھایا کہ وہ جو کچھ کر رہے ہین اس مین گورنمنٹ روس کی اعانت شامل نھین ہے اور ہندوستان مین پست قومون کی اعانت گورنمنٹ فیاضی کے ساتھ کرتی ہے مسلمانون کو اُن کی کوششون سے سبق لینا چاہیئے پھر اُنھون نے صنعت وحرفت پر بحث کی اور فرمایا کہ :-

صاحبو! صنعت وحرفت کی ضرورت ہندوستان مین عام طور پر تسلیم کی جاتی ہے - جب سے سدیشی تحریک شروع ہوئی ہے - ہمارے ہموطن اوس کی طرف اور بھی جلد جلد قدم بڑھا رہے ہین - گورنمنٹ نے بھی تسلیم کر لیا ہے کہ اس ملک کی مالی مشکلات - جن مین وہ اکثر مبتلا ہوتا رہتا ہے اُن سے اس کا نجات پانا محض صنعت وحرفت کی ترقی پر منحصر ہے - ممالک متحدہ مین اسی مقصد کے لئے انڈسٹریل کانفرنس قایم کی گئی ہے اور صوبون مین بھی اس طرف توجہ ہوتی جاتی

ہے۔ اگرچہ مسلمان بھی اس ضرورت سے انکار نہین کرتے لیکن عملی طور پر وہ اب تک اُس سے بالکل الگ رہتے ہین اور نہایت اندیشہ ہے کہ جس طرح وہ ابتدا مین انگریزی تعلیم سے نفرت کرنے کے سبب اپنے تمام ہموطن قومون سے پیچھے رہ گئے اور اب کسی طرح اُن کی برابری نہین کر سکتے اسی طرح صنعت وحرفت سے بھی اس وقت ان کی غفلت کا وہی انجام نہ ہو۔ مین صنعت وحرفت کی تعلیم کے متعلق آپ صاحبون کے سامنے کوئی نئی بات نہین کہتا بلکہ جو کچھ پہلے کہا جاچکا ہے اُسی کو دہراتا ہون اور قوم کے لیڈرون کو یاد دلاتا ہون کہ تعلیم یافتہ نوجوانونکو صنعت وحرفت کی طرف متوجہ کرین۔ مین سمجھتا ہون کہ اگر ہر سال ہر درجہ کے تعلیم یافتہ نوجوانونکو صنعت وحرفت کی تعلیم کیطرف متوجہ کرنیکی غرض سے انکی حیثیت کے موافق معقول وظیفے دیئے جایا کرین تو امید ہے کہ چند سال مین ایسے کثیر التعداد نوجوان پیدا ہوجائینگے جو اپنے ہم جشمون کو آزاد پیشہ پر ہاتھ ڈالنے کی جرارت دلاسکین گے اور اگر قوم کے دولت مندون کو خدا ایسی توفیق دے کہ بھی اپنے پاس نوجوانون کو وقتاً فوقتاً صنعت وحرفت کی تعلیم کے لئے معقول وظیفے دے کر یورپ یا جاپان بھیجتے رہین تو امید ہے کہ تھوڑے عرصہ مین ہماری قوم کے دن پھر جائین گے۔"

اس کے بعد صنعتی وظائف قایم کرنے اور زراعت کے جدید طریقون کی تعلیم پر توجہ دلائی اور آخر مین فرمایا۔

"بہرحال مسلمانون کی قومی ترقی کے لیئے محض یونیورسٹی کی موجودہ تعلیم کافی نہین بلکہ ضرور ہے کہ وہ تعلیم کے ہر ایک شعبے مین دستگاہ حاصل کرین اور اس دوڑ مین جس مین کہ ان کے ہم وطن ان سے بہت دور آگے نکل گئے ہین۔ جہان تک ممکن ہو شریک ہون۔ ورنہ وہ زمانہ بہت قریب ہے کہ ان کو نہ صرف اپنی عزت و توقیر سے بلکہ اپنے بقا اور اپنی ہستی سے بھی ہمیشہ کے لئے دست بردار ہونا پڑے گا

جو اپنے ضعف کا کچھ کرتی نہین تدارک! | قومین وہ چند روز دنیا مین مہمان ہین
گھڑیال اور مگرمچھ ہین ان کو نگلے جاتے | دریا مین مچھلیان جو کمزور و ناتوان ہین!!

سنبھلو وگرنہ رہنا یان اس طرح پڑے گا
بھیل اور گونڈ جیسے گمنام و بے نشان ہین



(۴)

مولانا اس فضل و کمال کے ساتھ اخلاق و عادات مین بھی فرد فرید تھے اور اُن کے وسیع اخلاق مین قرون اولے کے مسلمانون کا پرتو تھا قرآن و حدیث کے مطالعے نے اُن کی فطرت صحیحہ کو جلا دیدی تھی۔

ان کو کچھ کم چالیس سال محمڈن کالج کے ساتھ تعلق رہا اور اس عرصہ مین بہت سے دشوار گذار مراحل پیش آئے بہت سے انقلابات ہوئے آپس کے تنازعات نے اس کی بنیادون تک کو ہلا دیا۔ لیکن مولانا نے ایک متولی (ٹرسٹی) کی حیثیت سے نہایت دیانتداری اور صداقت سے اپنے فرائض تولیت ادا کئے۔

اُن کے دل مین سرسید کا انتہائی احترام تھا، وہ سرسید کے تمام کامون کو عزت اور محبت کی نظرون سے دیکھا کرتے تھے اور اپنے خانگی خطوط مین اُن کی بعض صفات کو نمونے اور مثال کے طور پر عزیزون اور دوستون کو لکھتے تھے۔

لیکن سرسید کی اس عظمت و محبت کے مقابلہ مین اُن کے دل مین اُس کام کی وقعت و الفت بھی بہت زیادہ تھی جو سرسید نے کیا تھا اور اسی بنا پر ایک ایسا وقت بھی آیا کہ حالی کے دست و قلم نے ۱۸۹۷ء مین نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک کے ساتھ شریک ہو کر ایک یادداشت پر دستخط کئے جو ٹرسٹیون کے نام لکھی گئی تھی اور جس کا مطلب یہ تھا کہ "وہ کالج کی خبر لین اور اُس کو یورپین اسٹاف کے ہاتھون مین چلے جانے سے روک لین" جس کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ سرسید کو کالج سے بے دخل یا معزول

کر دیا جاوے۔

۱۸۸۹ء میں جب سرسید نے سید محمود کی جانشینی کا مسئلہ پیش کیا ہے تو ان حالات کی بنا پر جو اُس وقت تھے مولانا نے سرسید کی حمایت و تائید کی تھی لیکن ۱۹۰۰ء میں جبکہ سید محمود کو کالج سے سبکدوش کرنے میں کالج کی بہتری معلوم ہوئی تو مولانا نے ان کو سبکدوش کرانے میں پورا حصہ لیا۔

آنریبل مسٹر مارین سے اُن کے بے تکلف گہرے تعلقات تھے اور ان تعلقات کا اندازہ اُس نظم سے ہوتا ہے۔ جو اُنھوں نے مسٹر مارین کے وداعی جلسہ میں پڑھی تھی لیکن جب اُنھوں نے اپنا جانشین مسٹر کارنا کو مقرر کرانا چاہا ہے اور اس پر زور دیا ہے اور نواب وقار الملک نے سخت اختلاف کیا ہے تو مولانا نے نواب وقار الملک کا ہی ساتھ دیا اور نہ صرف ساتھ دیا بلکہ اور ٹرسٹیوں کو بھی ہم رائے بنایا۔

اگرچہ مولانا ٹرسٹی شپ کے فرایض پورے طور پر انجام دیتے تھے اور جو کچھ اُن کے امکان میں تھا کالج کی بہبودی کے لئے کرتے رہتے تھے۔ لیکن وہ ٹرسٹیوں کی عام بے توجہی اور کمزوری کو محسوس کرتے تھے اور ۱۹۰۷ء کی شورش طلباء کے تحقیقاتی کمیشن کے

پریسیڈنٹ کو اُنھون نے آزادی کے ساتھ مشورہ دیا تھا کہ نکمے اور نالایق ٹرسٹیون کی بھرتی جو سید کے زمانہ مین ہوئی تھی اور ابھی تک وہی اُصول چلا آ رہا ہے اس کو ختم ہونا چاہیئے اور ایسی تدابیر کرنی چاہئیں کہ جن سے موجودہ ٹرسٹیون کی غفلت اور بے پروائی کا انسداد ہو اور آیندہ کسی عمدہ اور مستحکم اُصول سے اُن کا انتخاب عمل مین آیا کرے۔

اسی طرح نواب وقار الملک اور مسٹر آرچبولڈ کے جھگڑے مین جو سکریٹری اور پرنسپل کے اختیارات کے متعلق تھا اور جس مین ہز آنر لفٹنٹ گورنر نے بعض مشورے ایسے دئے تھے جن سے اتفاق کرنے مین قومی وقار کو صدمہ پہنچتا تھا اور اس کے خلاف ٹرسٹیون نے رزولیوشن تیار کئے تھے تو مولانا کو اندیشہ لاحق ہو گیا تھا کہ زمیندار تعلقدار عہدہ داران سرکاری اور ان کے علاوہ بعض دیگر اصحاب ہز آنر کی ناراضی کے وہمی خیال سے اختلاف کرین گے اور مخالفین کے غلبہ رائے کی صورت مین آنریری سکریٹری استعفیٰ دیدین گے دوسری طرف پرنسپل کے مستعفی ہو جانے اور اس استعفا سے حکام انگریزی کے دلون پر خراب اثر پڑنے کا بھی اندیشہ تھا مولانا نے ان اندیشون

کو خواجہ سجاد حسین صاحب کے نام ایک خط مین لکھ کر اپنی رائے اس طرح ظاہر کی کہ:-

"لیکن پہلا اندیشہ دوسرے اندیشہ سے میرے نزدیک زیادہ سخت ہے کیونکہ ہز آنر کے وہ مشورے مان لئے گئے جن کے قبول کرنے سے عذر کیا گیا ہے تو سکریٹری بلکہ تمام ٹرسٹیون کا عدم وجود برابر ہو جائیگا اور محمڈن کالج بمنزلہ گورنمنٹ کالج کے ہو جائے گا۔"

غرض مولانا نے اس فرض کو ہر موقع پر کامل خلوص اور دیانت سے انجام دینے مین کسی دوست یا عزیز حتیٰ کہ خود سر سید مرحوم کی بھی پروا نہین کی۔

اُن کا دل درد سے بھرا ہوا تھا جو نہ صرف نظمون مین نمایان تھا بلکہ اُن کی روزمرّہ کی زندگی اور اُن کے تمام تعلقات مین ظہور پذیر تھا۔ وہ اپنے خانگی خطوط مین اپنے بیٹیون اور عزیزون کو بھی لوگون کے ساتھ بھلائی اور ہمدردی کرنے کی نصیحت کیا کرتے تھے۔ ایک موقع پر کسی عزیز کی سفارش کرتے ہوئے لکھتے ہین۔

"مین تو فرائض کے بعد کوئی عبادت اور کوئی بھلائی اس سے

برابر بخفین سمجھتا کہ اولاً اپنے عزیزون اور دوستون کے ساتھ اور پھر تمام ابناء جنس کے ساتھ جہان تک ممکن ہو سلوک اور بھلائی کی جائے "

اسی طرح ایک دوسرے خط مین لکھتے ہین کہ "ایک ہمسایہ کی تکلیف دوسرے ہمسایہ کے لئے سوہان روح ہوتی ہے"

وہ طلبار کی امداد بھی حتی الوسع اپنے پاس سے کرتے رہتے تھے اور جو عزیز یا دوست اس قابل ہوتے کہ اُن سے مدد لوائی جائے تو اُن کو بھی سفارش کے خطوط لکھتے۔ وہ اپنے اعزا کی دنیاوی ترقیون سے ہی خوش ہونے والے نہین تھے بلکہ اُن کی اخلاقی ترقی کے بھی آرزومند تھے اور یہی وجہ تھی کہ روزمرہ کے خطوط مین بھی وہ عزیزون کو مختلف پیرایون مین دلپذیر نصائح کرتے رہتے تھے۔

اُن کے بھتیجے خواجہ تصدق حسین صاحب مرحوم اُن کی سفارش اور کوشش سے اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنری پر مامور ہوتے ہین اور وہ اس کا شکریہ ادا کرتے ہین۔ مولانا اس کے جواب مین لکھتے ہین کہ

"جو باتین تم نے میری نسبت لکھی ہین یہ محض تمھاری سعادتمندی

اور کسی قدر تمھاری نادانی کی دلیل ہین
اگر بفرض محال میری کوشش کو تمھاری
کامیابی مین کچھہ دخل ہوا ہی تو اس کو تقریباً
ایسا ہی سمجھنا چاہیئے جیسا کہ ایک باپ کی کوشش کو
بیٹے کی کامیابی مین ہوتا ہے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہین
ہے کیونکہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہا ہے اور ایسا ہی ہوتا رہے گا
تعجب کی وہ باتین ہین جو آج کل لوگ دنیا مین کر رہے ہین
غیرون کے بچون کو تعلیم دلواتے ہین اپنی بساط سے زیادہ اُن کی
امداد کرتے ہین تمام قوم کے لئے ویسی ہی کوششین کرتے ہین
جیسے کسی خاندان کا سرپرست اپنے خاندان کے لئے کرتا ہے اپنی جان
اور مال اور وقت اور دل و دماغ کو قوم کے لئے وقف کر رکھا ہے قوم کی طرف سے
اُن پر گالیان پڑتی ہین مگر وہ قوم کا خیال نہین چھوڑتے اور رات دن اُسی دھن
مین لگے ہوئے ہین یہ لوگ ہین جن کا ہم کو اور تم کو اور تمام قوم کو دل و جان
سے شکر ادا کرنا چاہیئے اور انھین کا صدقہ ہے کہ ہماری قوم مین
کسی قدر آپس کی ہمدردیون کا خیال پیدا ہو گیا ہے ؎؎
وہ فراخ حوصلہ اور قدرشناس تھے مصنفین کی حوصلہ افزائی کرتے
اون کی کتابون کو خرید کر دلچسپی سے پڑھتے اور بعض اوقات متعدد نسخے

خرید کر لائبریریوں مین بھیجدیتے تھے۔ مولوی عبدالرزاق صاحب سے برسبیل تذکرہ ایکمرتبہ فرماتے تھے کہ جس کتاب کی قیمت ادا کی جاتی ہے اُس کے مطالعہ مین بھی زیادہ دلچسپی ہوتی ہے۔ نوجوانون کو علمی کامون کا شوق دلاتے مولوی عبدالرحیم صاحب مرحوم بیدل کے ایک خط مین لکھتے ہین کہ:-

"عزیزی خواجہ عبدالمجید خان صاحب کو بہت بہت دعا پہنچے۔ امید ہے کہ اب اُن کے بچے سب بخیریت ہون گے معلوم نہین کہ اُنھون نے میرے عرض کرنے پر کوئی مشغلہ اختیار کیا یا نہین؟ اُن کو خدا تعالی نے ایسی لیاقت دی ہے کہ ملک اور قوم کو بہت کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہین اور چونکہ عنایت الٰہی سے تلاش معاش کی ضرورت نہین ہے اس لئے ان کے علمی مشغلون مین کوئی چیز مزاحم نہین ہوسکتی میرے نزدیک صرف کتابون اور اخبارون کا مطالعہ کرنا اور کوئی علمی کام نہ کرنا اپنے علم کی ناقدردانی اور اپنی قیمتی زندگی کو رائگان کھونا ہے اس موقع پر مین اپنی ذیل کی رباعی لکھتا ہون اور چاہتا ہون کہ عزیز موصوف بھی اس کو پڑھین اور اگر وہ درحقیقت سودیشی تحریک کو دل سے پسند کرتے ہین تو اس رباعی پر عمل کرین ؎

یارو نہین نہ وقت عیش و آرام کا یہ موقع ہے اخیر فکر انجام کا یہ

بس حُبِّ وطن کا جپ چکے نام بہت　　اب کام کرو کہ وقت ہے کام کا یہ

اُنھون نے جو خطوط مولوی عبد الحق صاحب بی ۔ اے کو لکھے ہین اُن کے پڑہنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ قابل نوجوانون کو کسطرح اُبھارتے تھے اور اُن کے کامون کی کیسی قدر کرتے تھے اسی سلسلہ مین اُن سے ایک کتاب "خاتونانِ ہند"[له] پر ریویو کرنے کی فرمایش کرتے ہین اور اس کا مقصد یہہ بتاتے ہین کہ

"ریویو لکھوانے سے مقصود یہہ ہے کہ مولفِ کتاب جو میرا ہم وطن ہے اس کو شرمایا جائے کہ با وجود برہمو ہونے اور دعوئے بے تعصبی کے ایک ایسی کتاب مین جو عورتون کے لیے لکھی گئی ہو اور جس کا مقصد ہندوستان کی عورتون کے خیالات کی اصلاح ہو ایسے متعصبانہ خیالات ظاہر کرنے اور وہ بھی محض بے اصل اور تاریخ کے خلاف ایک برہمو سماج کے ممبر سے نہایت بعید اور قابل افسوس ہے"

اور ان کو اس بنا پر انتخاب کرتے ہین۔

"جونکہ آپ نے عالمگیر کی لائف کو ایک مصنف کی نظر سے مطالعہ

له یہ کتاب ایک ہندو مصنف نے جو برہمو سماج کا ممبر تھا تالیف کی تھی جسکی نسبت مولانا کو پہلے یہ حسن ظن تھا کہ وہ غیر متعصب ہے لیکن اس کتاب کو جسمین اُس نے عالمگیر کے نسبت انتہائی تعصب سے کام لیا تھا دیکھنے کے بعد اُن کا حسن ظن جاتا رہا۔

کیا ہے اس لیئے مین سمجھتا ہون کہ آپ بہت آسانی سے موئلف مذکور کی قلعی کھول سکینگے مگر ریویو کی طرز بیان بہت شایستہ اور الفاظ نہایت سنجیدہ ہونے چاہئین جن سے برہم سماج کے تمام ممبر متاثر اور شرمندہ ہون۔ یہ سماج برخلاف آریہ سماج کے نہایت آزاد اور صلح پسند ہے اس لیئے مجھے امید ہے کہ آپ کے ریویو کا ان لوگون پر عمدہ اثر ہوگا۔ ریویو مین اس بات پر زیادہ زور دینا چاہیئے کہ جو لوگ ہندو مسلمانون مین تفرقہ اور پھوٹ ڈالنے والی کتابین لکھتے ہین وہ ہندوستان کے سخت دشمن ہین خواہ وہ ہندو ہون یا مسلمان برہمو ہون یا آریا"

اور جب ریویو لکھکر دلگداز مین شایع کراتے ہین تو مولانا کس خوشی کے ساتھ ارقام فرماتے ہین کہ۔

"دلگداز مین خاتونان ہند پر آپ کا ریویو دیکھ کر بہت ہی جی خوش ہوا اور اسی خوشی مین دلگداز کی خریداری کی درخواست آج بھیجدی ہے یہ بھی لکھہ بھیجا ہے کہ ایک کاپی اس نمبر کی مصنف خاتونان ہند کے نام لاہور ضرور بھیجدین اس کی قیمت مین خود دونگا"

ایک اور خط مین ان کی ایک کتاب زیر تالیف کی نسبت لکھتے ہین کہ

"اسلامی حکومت مین ہندو مسلمانون کے تعلقات پر جو کتاب آپ لکھ

رہے ہین خدا کرے وہ میری زندگی مین پوری ہوجائے۔ مجھے اس کے دیکھنے کا نہایت اشتیاق ہے[۵]"

مولانا کی صحت تو عرصہ سے خراب ہوچکی تھی، سنہ ۱۹۰۷ع مین بصارت پر بھی اثر پڑ گیا تھا اور دماغ بھی کمزور ہو گیا تھا لیکن کوئی نہ کوئی علمی کام ضرور کرتے رہتے تھے سنہ ۱۹۱۲ع مین بہت ضعیف ہو گئے تھے اور اب بغیر کسی مددگار کے کام کرنا مشکل تھا ایک ع. تیر کو نہایت اصرار کے ساتھ لکھا کہ وہ آجائین تو ان کی امداد سے کچھ کام کرین اس خط مین یہ حسرت انگیز فقرہ بھی تھا کہ "اب چل چلاؤ کے دن قریب ہین ایک ایک گھڑی نہایت قیمتی ہے"

ان کا مطالعہ اخیر وقت تک جاری رہا اور جب نظر کمزور ہوگئی تو اخبارات اور کتابین پڑھوا کر سنا کرتے تھے۔

علی گڑھ سے ان کو ایک خاص اُنس تھا اور اس زمانہ مین بعض اسباب سے ان کا خیال ہوگیا تھا کہ وہین مستقل قیام کرین اور اس ارادہ کی ایک دوست کو اطلاع بھی دی تھی۔

---

[۵] افسوس کہ مولوی عبدالحق صاحب کی مصروفیتون نے اس اشتیاق کو پورا نہین ہونے دیا اور شاید بہت سے مشتاق اسی اشتیاق کو قبر مین ساتھ لے جائین۔

"میں بھی مدت سے ارادہ کر رہا ہون کہ علیگڈھ مین لقبیہ زندگی بسر کرون اگرچہ مین سوسائٹی مین رہنے کے قابل نہین رہا اور تخلیہ اور تنہائی کو زیادہ پسند کرتا ہون اور کسی مفید کام کرنے کی بھی اب قابلیت نہین رہی لیکن اس خطہ سے بالطبع موانست ہے"

سید ہاشمی صاحب فریدآبادی نے جن کو مولٰنا کے ساتھ بہت گھرا اور قریبی تعلق رہا ہے اپنے ایک مضمون مین مولٰنا کے اخلاق کے متعلق لکھا ہے کہ

مولوی حالی مرحوم کی زندگی شرافت وصداقت، حلم وانکسار صبر وسادگی کا قابل دید نمونہ تھی۔ اُن کے اخلاق شائستہ کا پاس بیٹھنے والون پر بہ تو پڑتا تھا۔ بزرگون نے لکھا ہے اور مین نے ان کی صحبت مین آزمایا۔ کہ نیکون کے محض حضور مین بڑے سے بڑے دل صلاح ونکوئی قبول کرتے ہین۔ مدت العمر کے ساتھیون کا بیان ہے کہ مولوی صاحب مرحوم نے کبھی اپنی زبان کو غیبت وبدگوئی سے آلودہ نہین کیا۔ اور مجھے یہ سبق پہلی مرتبہ اُن کی دلچسپ مجلس مین حاصل ہوا کہ اتنے وسیع تعلقات اور واقفیت کے باوجود بھی آدمی چاہے تو اپنی ہمہ رنگ وہمہ گیر گفتگو کو لوگون کی ہجو بے جا اور مذمت ذات سے خالی

رکھ سکتا ہے۔ مگر مرحوم کے فضل و شرف کی اس سے بھی زیادہ نمایاں دلیل یہ وصف تھا کہ وہ جس قدر ہمدرد و بامہر تھے اسی قدر فراخ حوصلہ اور قدر شناس تھے۔ مسلمانون کی بگڑی ہوئی قوم مین ایسے افراد کم ملین گے جو اپنی ذہانت اور وسعت نظر سے نکتہ چینی کی بجائے قدردانی اور ہمت افزائی کا کام لین۔ عیب جوئی اور تنگ دلی ہمارے اخلاق کی پستی اور قومی انحطاط کا نتیجہ اور آیندہ ترقی کے حق مین بہت بڑی رکاوٹ ہے اور اسی لئے شاید ہمین کام کرنے والون سے بھی زیادہ کام کی قدر جاننے والون کی ضرورت ہے۔

مولوی حالی مرحوم کی معاشرت بالکل سادہ اور طالب علمانہ تھی ان کے مشاغل خیالات گفتگو بالکل پاک صاف اور نہایت مھذب ہوتی تھی اور کبھی کوئی رکیک بات یا کلمۂ ہزل اُن کی زبان پر نہ آتا تھا۔"

مولانا کی اخیر حالت کا اندازہ اور اُن کی مہمان نوازی وغیرہ کی کیفیت مولوی عبدالرزاق صاحب کے اس بیان سے معلوم ہوگی کہ

سنہ ۱۹۱۳ء مین میری اور خواجہ صاحب کی اخیر ملاقات ہوئی مین خواجہ صاحب

کا تین دن مہمان رہا انتہا درجہ کے مہمان نواز تھے دونون وقت دسترخوان پر فصلی میوے اور پانی پت کی مشہور دکان کی بالائی ہوتی تھی۔ اس زمانہ مین خاموش ہو گئے تھے۔ باتین بہت کم کرتے تھے۔ مین نے پوچھا اب شاعری کا کیا حال ہے تو ہنس کر فرمایا ع نہ رہی چیز وہ مضمون سجھانے والی، پھر فرمایا حافظہ کا یہ حال ہے کہ بعض اوقات لغات کے معنی سوچا کرتا ہون اور یاد نہین آتے ہان اگر اچھا مضمون ہاتھ آگیا تو اسکو رباعی مین ادا کر دیتا ہون۔ ضعف بڑہ گیا تھا بلا ضرورت بالاخانہ سے نیچے نہین اُترتے تھے۔

۱۹۱۳ء مین خواجہ صاحب سے جو مراسلت ہوئی اُسکے مطالعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ زمانہ انحطاط کا تھا۔

۱۵ فروری ۱۹۱۳ء کے ایک خط مین تحریر فرماتے ہین کہ

"نظام الملک طوسی جیسی عالی درجہ تصنیف پر ریویو لکھنے کے قابل اب مین نہین رہا قطع نظر اس کے کہ قوائے جسمانی روز بروز مضمحل ہوتے چلے جاتے ہین دماغ بھی معطل بلکہ مختل ہو گیا ہے۔ خطوں کا جواب مستثنیٰ حالتون کے سوا ہمیشہ دوسرون سے لکھواتا ہون جو کچھ لکھا پڑھا تھا سب

فراموش ہو گیا ہے۔ میری موجودہ حالت پر میرزا غالب مرحوم
کا یہ شعر صادق آتا ہے۔

دیگر از خویشتنم نبود تکلف برطرف
این قدر دانم کہ غالب نامِ یارے داشتم
بجائے غالب کے آپ کو حالی پڑھنا چاہیئے ''

غرض جس شخص کو جس قدر مولانا سے زیادہ تعلق رہا ہے وہ ہی اُن کی خوبیوں کا زیادہ معترف نظر آتا ہے بعض ایسے قابل افراد بھی ہین جن کی نظر دلون کے عیوب کی تہ تک پہنچ جاتی ہے اور ایک ذراسی معمولی بات مین بھی برائی کا بہت بڑا پہلو نظر آتا ہے مگر مولانا کے وسعت اخلاق اور شرافت نفس کا بغیر کسی نکتہ چینی کے وہ بھی اعتراف کرتے ہین

سنہ ۱۹۱۱ء سے عالم اسلام پر جن مصائب کا پہاڑ ٹوٹا، طرابلس اور بلقان مین جس طرح مسلمانون پر تباہی آئی اور کامل چھ برس تک بربادی کا جو خوفناک منظر سامنے رہا وہ اس صدی کا ایک ایسا دل دوز اور جگر سوز واقعہ ہے جو مسلمانون کو صدیون خون رُلائے گا۔ ان حالات مین ناممکن تھا کہ مولانا حالی کا دل جو عمر بھر ایک ایک مسلمان خاندان کی تباہی و بربادی پہ روتا رہا ہو بیتاب

و مضطرب ہوجاتا وہ روزانہ جنگ کی خبریں سُننے اور بے قرار ہوجاتے اور دل کا درد آنکھوں سے قطرات اشک بن کر ٹپکتا۔ کئی مرتبہ زبان سے اس مظلومانہ آرزو کا بھی اظہار ہوا کہ "وہ الٰہی وہ وقت بھی کبھی آئے گا جبکہ ترک اور ایرانی کے قتل و خون کے بجائے ہم یہ سنینگے کہ آج اتنے جرمن مارے گئے اور اتنے روسی کام آئے"

ایک خانگی خط میں لکھتے ہیں کہ :-

"ٹرکی کی خبریں جو آجکل آرہی ہیں انہوں نے بالکل کمر توڑ دی ہے ایران اور مراکو کی تو فاتحہ خیر پڑھ چکے تھے اب ٹرکی کی بھی بظاہر خیر نہیں معلوم ہوتی ہے لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا"

اُن کا دل ہر اُس شخص کی محبت سے معمور ہوجاتا جو ان مظلوموں کی ہمدردی و اعانت میں کوئی آواز بلند کرتا یا کوئی عملی تحریک لے کر سامنے آتا ان ہی جذبات سے متاثر ہو کر مولانا ظفر علی خان کی ان کوششوں کی نسبت جو اُنھوں نے طرابلس و بلقان کے شہیدوں اور مجروحوں کی ہمدردی میں کی تھیں مولانا نے "شکریہ مساعی جمیلہ ظفر علی خان" کے عنوان سے یہ مخصوص نظم لکھی تھی -

شکریہ مساعی جمیلۂ ظفر علی خان

اے مالک دفتر زمیندار — اے نازش قوم و فخر اقران
اے روح روانِ جمع احباب — اے چشم و چراغ بزم اخوان
اے دین کے امتحان میں جانباز — اے نصرتِ حق میں تیغ عریان
اے صدق و صفا کی زندہ تصویر — اے شیر دل، اے ظفر علیخان
قدرت نے بھرے تھے تجھ میں جو گن — جب تک وہ رہے نظر سے پنہان
فوقیت و برتری پہ تیری — قائم کوئی ہو سکی نہ برہان
پر وقت کی تاک میں برابر — ہمت تری گن رہی تھی گھڑیان
بلقان و طرابلس میں ناگاہ — اُٹھا ستم و جفا کا طوفان
ہمدردی اہل دین نے آخر — جوہر ترے کر دیے نمایان
جمعیت و صبر کا سراسر — دامن ہوا چاک تا گریبان
پھیلے وہ بشکل سیل آتش — دل میں ترے جو شرر تھے پنہان
ڈالا یہ تری پکار نے غل — جی اُٹھے وہ مردے جو تھے بیجان
جو دل غم قوم سے تھے بے حس — چلنے لگیں اُن دلوں پہ چھریان
وہ بن گئے آپ اپنے رہزن — جو مال کے اپنے تھے نگہبان

اسلام کی سمجھے اب حقیقت جو نام کے تھے فقط مسلمان
ہاں اس مین نہین مبالغہ کچھ سنتا ہی ہے اسے ظفر علی خان
نازان ہے وہ درسگاہ تجھ پر تعلیم پہ جس کی تو ہے نازان
کاش ایسے جنے سدا وہ فرزند جو قوم کے درد کے ہون درمان
سوز غم دین حق سے جن کے سینے ہون کباب دل ہون بریان
جو ملک و وطن کے ہون فدائی جو قوم کے نام پر ہون قربان
مشرق مین ہون وردلیے بہ چین مغرب مین سنین جو رنج اخوان
پنجاب کو تجھ پہ ہو اگر فخر ہے اس کو یہ فخر و ناز شایان
زندہ ہے وہ ملک اور وہ ملت
ہون زندہ دل ایسے جس مین انسان



اسی طرح مولانا محمد علی کی اُن کوششون کی جو انھون نے جنگ بلقان کے زمانہ مین طبی وفد بھیجنے مین کی تھین مولانا حالی کے دل مین بڑی قدر و منزلت تھی جس کا اظہار انھون نے اخبار ہمدرد کے اجرا کے موقع پر اس طرح کیا تھا۔

تمغون کی ہوس نہ یان خطابون کی طلب اک ملک کی خدمت کا ہی سودا یارب
ہمدرد کو اسم بامسمے اکیجو اس نام کی لاج تیرے ہی ہاتھ ہے اب

(۵)

مولانا کی تصانیف ومضامین، شاعری اور عام قابلیت پر تبصرہ کرنا درحقیقت ایک ایسے قابل آدمی کا کام ہے جو مولانا ہی کا ہم پلہ ہو اور مولف تذکرہ ایسی قابلیت سے محض عاری ہے البتہ تذکرہ کی تکمیل کے لیے ان کا ایک مختصر بیان ضروری ہے اور اسی کو پیش نظر رکھا ہے۔

سلسلۂ نظم مین مولانا کے مسدس مدوجزر اسلام کے علاوہ بہت سی نظمین اور مسدس۔ ترجیع بند، رباعیان، اور قطعات وغیرہ کی شکل مین ہین۔ جن کی الگ الگ اور مجموعہ کے طور پر بہ کثرت اشاعت ہوئی ہے ان نظمون مین، برکھارت، نشاطِ امید، حب وطن، مناظرۂ رحم و انصاف، مناجاتِ بیوہ شکوۂ ہند۔ حقوقِ اولاد، مستقل مثنویان ہین جو حسن بیان خوبی معانی اور جذبات سے لبریز ہین لیکن اس سلسلہ مین مناجات بیوہ کا مرتبہ سب سے بلند ہے۔ اور اس مین جو درد بھرا ہوا ہے یہی نہین کہ اُس کا اندازہ سب سے زیادہ بدنصیب بیواؤن کو ہو یا وہ لوگ جنھون نے بیوگی کی مصیبت کو غور سے دیکھا ہے اس درد کا کچھ اندازہ کرین بلکہ ہر پڑھنے والے کا قلب

اس درد سے بے چین ہو جاتا ہے اور خاص کر صغر سنی کی شادی کے ہولناک نتائج جو اس مین نمایان ہین بے حد موثر ہین اور وہ اسقدر مقبول ہوئی کہ اس کا ترجمہ علاوہ دس زبانون کے اعلی سنسکرت مین بھی ہو گیا ہے۔

مولانا کو تعلیم نسوان کے ساتھ خاص دلچسپی تھی اور عورتون کی اس زار حالت سے جو موجودہ سوسائٹی مین تھی ان کے دل کو تکلیف پہنچتی تھی یہی درد اور تکلیف تھی کہ جس کے اثر سے مولانا نے وہ مشہور نظم جو "چپ کی داد" کے نام سے معروف ہے لکھی۔

اس نظم کے علاوہ ان خیالات و حالات سے جو لڑکیون کی نسبت ناتے اور شادی بیاہ مین بر کی تلاش و انتخاب مین پیش آتے ہین متاثر ہو کر انھون نے ایک اور مختصر نظم بھی لکھی تھی جو ان کے درد دل کو ظاہر کرتی ہے۔

سنہ ۱۸۹۰ء مین خود مولانا نے مجموعۂ نظم حالی کے نام سے ایک مجموعہ شایع کیا جس مین متذکرہ بالا قسم کی نظمون مین سے ۲۴ نظمین ہین پھر اس اڈیشن کو سنہ ۱۹۰۳ء مین مولانا وحید الدین سلیم نے بعد کی کہی ہوئی نظمون کا اضافہ کر کے پانی پت سے

شایع کیا۔

مولانا کی قدیم وجدید غزلیات کا مجموعہ بھی "دیوان حالی" کے نام سے ۱۸۹۳ء مین شایع ہوگیا ہے اور اس مین شعر وشاعری پر ایک مبسوط مقدمہ ہے جو بجائے خود ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے یہ مقدمہ برسون کی چھان بین، کدو کاوش اور غور و مطالعہ کا نتیجہ ہے مقدمہ کے بعد پہلے کچھ قطعات ہین جو پند و موعظت اور وعظ ونصیحت سے معمور ہین، پھر جدید قدیم غزلیات ہین اور پھر سَو کے قریب حکیمانہ رباعیات ہین، اخیر مین قصائد، مسدس، ترکیب بند، مرثیے، اور کچھ قطعات اور تاریخین ہین اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۱۸ء مین حالی بک ڈپو نے پانی پت سے اور الناظر بک ایجنسی نے لکھنؤ سے شایع کیا حالی بک ڈپو نے رباعیات کا مجموعہ اور متفرق نظمون کو جواہرات حالی کے نام سے الگ الگ بھی شایع کردیا ہے لیکن افسوس ہے کہ ان مجموعون مین پھر بھی بہت سی دلچسپ اور مفید نظمین نہین ہین اور اس بات کی ضرورت ہے کہ ایک مکمل مجموعہ آب وتاب کے ساتھ شایع کیا جائے۔ بعض نظمین ایسی بھی ہین کہ جن کا حق تصنیف مولانا نے کسی قومی انسٹی ٹیوشن کو دیدیا ہے اُن کا حق محفوظ

رہنا چاہیئے کیونکہ وہ ایک غیر جاریہ ہے لیکن اگر کل مجموعہ شایع کیا جاے تو ان انسٹی ٹیوشنون کو اس مین حصہ رسدی شریک ہونا چاہیئے -

مولانا کے مدحیہ قصائد مین بھی ایک خاص رنگ ہے بے سروپا مدح سرائی اور بھٹئی سے ان کو سخت نفرت ہوگئی تھی وہ اعلےٰ حضرت نظام الملک آصفجاہ سادس مرحوم و مغفور کے جشن جوبلی مین قصیدہ پیش کرنے کی تیاری کرتے ہین لیکن اپنے دوستون سے واقعات طلب کرتے ہین اور چاہتے ہین کہ جو مدح ہو وہ واقعات پر مبنی ہو -

اعلیٰ حضرت نظام الملک آصفجاہ سابع خلد اللہ ملکہ جب مسند حکومت پر جلوہ افروز ہوئے ہین تو مولانا نے بھی قصیدہ تہنیت پیش کیا ہے لیکن اسوقت تک ایسے اہم واقعات بھی نہ تھے کہ مولانا کی مدح سرائی ان پر مبنی ہوتی لیکن چونکہ وہ تو تلامیذ الرحمٰن کے زمرہ مین شامل تھے اسلیئے ان کے اس قصیدہ مین بھی ایک عجیب طرز اور رنگ ہے جسکی مثال متقدمین شعرا کے کلام مین نہین ملسکتی مثالاً اشعار ذیل ملاحظہ ہون

فلک مرتبت میر عثمان علی خان ۔۔۔ مبارک تمھین مسند شہریاری

مبارک ہو تم کو وہ دشوار منزل ۔۔۔ جہان چپہ چپہ پہ ہے ذمہ داری

مبارک بزرگون کی میراث تم کو جنھون نے کہ جھیلی ہین کڑیان یہ ساری
اب اُن کی جگہ آپ کو ہو اٹھانا خدا کی امانت کا یہ بوجھ بھاری
جو بے بس ہین دنیا ہو اُن کو سہارا جو بے یار ہین اُن کی کرنی ہے یاری
نکمّے جو ہین اُن کو کامی بنانا بڑھانا دل ان کا جو ہین کار زاری
جگانا انھین نیند کے ہین جو ماتے پڑھانا انھین علم سے جو ہین عاری

مولانا نے نعت مین بھی چند غزلین رباعیان اور قصیدے لکھے ہین لیکن ان مین بھی ایک خاص طرز اور ایک ایسا رنگ ہے جو حالی کے لیے ہی مخصوص تھا۔

مولانا کی رباعیان جو جذبات اور حکمت و موعظت کے سرچشمے ہین نہ صرف ہندوستان مین مقبول ہوئین بلکہ ان کو ایک قابل انگریز مسٹر وارڈ نے انگریزی مین ترجمہ کر کے یورپ مین شایع کیا اور وہان انھون نے قبولیت حاصل کی۔

مولانا کے فیوض و برکات سے نادان چھوٹے بچے بھی محروم نہین رہے اور ان کی سمجھ کے مطابق ان کے جذبات ابھارنے کے لئے متعدد نظمین لکھین۔

مولانا کی بعض نظمین مخصوص قومی انسٹی ٹیوشنون کے لیے ہوتی تھین اور بعض کا حق تصنیف کسی انسٹی ٹیوشن کو مرحمت

کر دیتے تھے۔

اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ کے ساتھ اُن کو خاص دلچسپی تھی اور بانی مدرسہ کی بے لوث خدمات کے بڑے معترف تھے۔ وہ محمڈن کالج کے بعد تمام اسلامی مدارس مین سب سے زیادہ اسی اسکول کو مسلمانون کے لئے مفید خیال کرتے تھے اور اُن کی راے تھی کہ کم استطاعت مسلمانون کے بچون کے لیے اس اسکول سے بہتر کوئی دوسرا اسکول نہین کیونکہ جو فوائد محمدن کالجیٹ اسکول علیگڈھ مین امرا کے بچے حاصل کرسکتے ہین وہ سب خوبیان اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ مین کم استطاعت شریف مسلمانون کے بچون کے لیے موجود ہین چنانچہ جب اس اسکول کے ساتھ بورڈنگ ہاوس قایم کیا گیا ہے جس مین ابتداءً دس پندرہ بچون سے زیادہ بورڈر نہ تھے تو مولانا نے اپنے پوتے کو اسی اسکول مین تعلیم کی غرض سے بھیجا تھا۔

مولانا نے مدرسہ کی امداد کے لیے سنہ ۱۹۰۲ع کی دھلی کانفرنس کی مشہور نظم "تحفتہ الاخوان" کا حق تصنیف مرحمت فرمایا جس کو منشی رحمت اللہ رعد مرحوم مالک نامی پریس کانپور نے

کفایت نفاست کے ساتھ طبع کر کے شایع کیا۔ اس کے بعد دوسری نظم کا حق بھی جس کا نام ''ترقی و تنزل'' ہے عطا کیا۔ نظم کے علاوہ نثر مین بھی مولانا کا مرتبہ بہت بلند تھا وہ ''تہذیب الاخلاق'' کے بلند پایہ مضمون نگار تھے اس کے علاوہ متفرق طور پر بھی کبھی مضامین[۵۱] لکھتے رہتے تھے۔ تصانیف پر ان کا طرز تبصرہ، ریویو نگاری کا ایک نمونہ تھا انھون نے متعدد کتابون پر ریویو لکھے ہین اور ان سے مولانا کے علم و فضل اور وسیع النظری کا پورا اندازہ ہوتا ہے۔

نثر مین ان کی پہلی مستقل کتاب ''تریاق مسموم'' مذہبی مناظرہ مین ہے یہ کتاب ایک خاص اثر مین لکھی گئی ہے مولانا کے وطن مین ایک قابل آدمی ملا خیر الدین اور ان کے بیٹے عیسائی ہو گئے تھے مگر پھر انھون نے اور ان کے ایک بیٹے نے اسلام اختیار کر لیا لیکن ایک بیٹا عماد الدین بدستور عیسائی رہا یہ عربی بھی جانتا تھا اور مشن مین ملازم ہو گیا تھا اس نے ایک کتاب ''ہدایۃ المسلمین'' کے نام سے

---

۵۱ یہ کل مضامین مولانا سید وحید الدین سلیم نے ایک مجموعہ کی شکل مین شایع کرائے تھے۔ لیکن اب نایاب ہین۔

لکھی تھی اور اس کے جواب مین مولانا نے یہ کتاب لکھی۔

اسی طرح پادری ٹنڈ ٹرکی کتاب ''تاریخ محمدی'' پر ایک تبصرہ رسالہ کی صورت مین لکھا ہے اور آن حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق جو کچھ پادریون نے لکھا ہے اُس کا فلسفی اور غیر متعصب یوروپین کی راؤن سے مقابلہ کیا گیا ہے۔

اسی ابتدائی زمانہ مین ایک کتاب کا جو فرانسیسی سے عربی مین ترجمہ کی گئی ہے اور طبقات الارض پر تھی عربی سے اُردو مین ترجمہ کیا تھا اور گویا اُنھون نے اس طرح اُردو زبان کو ایک علمی زبان بنانے مین اس وقت سعی کی جب کہ ترقی اُردو کے خیال کا دماغون مین پتہ تک نہ تھا۔

مولانا کو تعلیم نسوان کے ساتھ اس وقت سے پہلے ہی دلچسپی تھی جبکہ ہمارے مصلحین قوم اس موضوع پر بحث کر رہے تھے اور اس دلچسپی کا عملی ثبوت انھون نے اس طرح دیا کہ عورتون کے پڑھنے کے لیے ایک کتاب ''مجالس النساء'' تصنیف کی جو کچھ عرصہ تک پنجاب کے مدارس مین داخلِ نصاب رہی اور خانگی تعلیم مین اس سے فائدہ حاصل کیا گیا اور دہلی کے متعدد خاندانون مین یہی کتاب تعلیم نسوان کا سبب ہوئی اس کتاب کے صلہ مین تعلیمی

دربار دہلی کے موقع پر مولانا کو چار سو روپیہ کا انعام بھی گورنمنٹ کی جانب سے لارڈ نارتھ بروک نے عطا کیا۔

۱۸۸۱ء میں "حیات سعدی"، لکھ کر جدید قسم کی سوانح عمریون کی بنیاد مشرقی ادب مین ڈالی اور ۱۸۹۶ء مین یادگار غالب شایع کی جو مرزا غالب کی نہایت دلچسپ سوانح عمری اور ان کے کلام کی تنقید ہے۔

اُردو نثر مین ان کی آخری تصنیف "حیات جاوید" ہے جس کی ابتدا ۱۸۹۳ء مین سرسید کی زندگی مین کی تھی اور چھ برس مین باوجود متعدد مرتبہ بیماریون مین مبتلا ہونے کے اس کو ختم کیا اور نہایت آب وتاب کے ساتھ منشی رحمت اللہ رعد کے نامی پریس کانپور مین طبع کرایا۔

سرسید کی قومی خدمات اور احسانات کا اقتضا تو یہ تھا کہ ہر طرف سے اور ہر طرح سے اُن کی لائف لکھنے مین مولانا کو مدد ملتی لیکن کسی متنفس نے قلم سے یا درم سے مولانا کو براہ راست مدد نہین دی۔ کسی زندہ شخص کی یا ایسے شخص کی جس کو انتقال کئے ہوئے بہت قریب عرصہ گذرا ہو اور جس کی شاندار زندگی بہت طویل وعریض ہو، وہ ادیب ومصنف ہو اور ساتھ ہی زبردست

اسپیکر، تمدن و معاشرت اور مذہب کا مصلح اور مجدد ہو، ملکی سیاسیات مین ایک مدبر کا مرتبہ رکھتا ہو۔ غرض اُسکی مختلف النوع حیثیتین ہون اُسکی ذات اور اُس کے کامون کے متعلق مخالف و موافق رائین رکھنے والے بھی موجود ہون اُس کے کامون کا سلسلہ ہندوستان سے انگلستان تک وسیع ہو۔ ایسی صورت مین اُسکی لائف کا مواد جمع کرنا، پھر اُسکی ترتیب اور اُس کو لکھنا ایک زہرہ گداز کام تھا مگر مولانا نے تنہا اس مہم کو سر کیا اور اس طرح کہ اُردو ادب مین ایک ایسی چیز کا اضافہ کیا جو اپنی نظیر آپ ہی ہے۔

اس کتاب کے دو حصے ہین۔ پہلے حصہ مین جو ۲۰۳ صفحہ کا ہے۔ سر سید کے حالات زندگی ہین دوسرے حصہ مین جو ۵۵۰ صفحہ کا ہے سر سید کی لائف، اُن کی تصانیف اور اُن کے کامون پر ریویو کیا ہے اور یہ حصہ حقیقت مین مولانا کی محنت و دماغ سوزی کا تماشا گاہ ہے بقول مولانا حبیب الرحمان خان صاحب شروانی (نواب صدریارجنگ بہادر)

"اُس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علامۂ مولف نے نہایت غور اور فکر کے ساتھ سر سید کے ہر ایک کام کو خواہ عملی ہو

یا عملی دیکھا ہے اُن کی تصانیف کے ہزاروں صفحے پڑھ کر اُن کے مضامین کے ماسٹر بنے ہین اور اس کے بعد پوری کاوش سے ان پر سارٹ ہے پانچسو صفحوں مین اس طرح ریویو کیا ہے کہ اس کے مطالب بالاجمال اور محاسن با لتفصیل ناظرین کے سامنے اشکارا کر دئے ہین۔

قصہ مختصر سرسید کی ساٹھ برس کی جانفشانیوں کے کارنامے صفحات کاغذ پر یون نمایان کردئے ہین جیسے ایک تیز دست مصور میلون مین پھیلے ہوئے معرکہ کی تصویر چیند انچھ کاغذ پر مشاہدہ کرا دیتا ہے ۔"

مولانا نے سرسید کے اہم مضامین کو بھی ایک مجموعہ کی شکل مین طبع کرانا چاہا تھا اور اُس کی تدوین بھی شروع کردی تھی لیکن سرسید نے اصرار کے ساتھ منع کر دیا اور مولانا نے مجبور ہو کر اس ارادہ کو ترک کیا۔

انھون نے نواب مصطفےٰ خان صاحب شیفتہ کے فارسی دیوان کا مجموعہ مرتب کر کے طبع کرایا۔ اور اُس پر ایک دلچسپ دیباچہ لکھا اور اس طرح اپنے استاد کا حق ادا کیا۔ مولانا کے خطوط کا مجموعہ بھی دو حصون مین حالی بک ڈپو نے شایع کیا ہے جو نہایت

دلچسپ ہے اور اگر غور کیا جائے تو ایسا ہی مجموعہ اصلی لائف اور اصلی سیرت ہوتی ہے

چونکہ مولانا کو فارسی سے فطری مناسبت تھی اور غدر سے پہلے تک دہلی مین جو علمی صحبتین تھین اُن کا بھی یہی مذاق تھا اس لیے مولانا کا مذاق فارسی مین بہت اعلےٰ وارفع ہو گیا تھا۔ ایک زمانہ مین مختلف اُردو کتابون کے بعض مضامین کا جو انگریزی سے ترجمہ ہوئے تھے انھون نے فارسی مین ترجمہ کیا تھا۔ کبھی کبھی کسی عزیز یا دوست کو فارسی مین خط بھی لکھتے تھے۔ اُنھون نے فارسی مین حکیم ناصر خسرو[۵] کی سوانح عمری لکھی ہے

[۵] ناصر خسرو کے مختصر حالات فارسی تذکرون مین موجود تھے۔ لیکن اس کی مفصل سوانح عمری یکجا نہ تھی مولانا نے نہایت کاوش اور تحقیقات سے مکمل سوانح لکھی۔ چنانچہ اسکے متعلق ۱۳ فروری ۱۹۰۸ء کے ایک خط مین مولوی عبدالرزاق صاحب مصنف البرامکہ کو تحریر فرماتے ہین ناصر خسرو کا سفرنامہ یا اُس کا ترجمہ چھاپنے کی اجازت یا ممانعت کرنے کا مجھے کچھ حق نہین آپ ضرور اس کا ترجمہ چھاپئے مگر اسمین نوٹون کی بہت ضرورت ہوگی امید ہے کہ آپ اس فرض کو بخوبی انجام دینگے۔ مین نے جو اس کے اول مین ناصر خسرو کا حال فارسی مین لکھا ہے اس مین سخت محنت

جسکے ساتھ حکیم موصوف کا سفرنامہ بھی ہے۔ جو ۱۸۸۲ء مین شائع ہوئی ہے اس کے علاوہ نثر کے اور بھی نمونے ہین جو زیادہ تر دواوین کی تقاریظ کی صورت مین ہین

فارسی نظم بھی لکھتے تھے۔ ان نظمون مین ہز مجسٹی امیر حبیب اللہ خان شاہ افغانستان کے ورود کالج کے موقع پر جو قصیدہ مولانا نے لکھا تھا وہ ہر اعتبار سے بے بدل ہے اس مین بھی مولانا کا خاص رنگ موجود ہے اور بیجا مدح سرائی سے احتراز کیا گیا ہے۔

مولانا نے ایک ال نامہ بھی شروع کیا تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ ختم نہین ہوا۔ اس مین کے چند جملے اُنھون نے ۱۹۰۶ء مین مولوی عبدالحق صاحب بی۔اے معتمد انجمن ترقی اُردو کو ایک خط مین لکھے تھے جو اس موقع پر دلچسپی کے لئے ہی کفین بلکہ مولانا کے خیالات پر عبور حاصل کرنے کے لئے درج کئے جاتے ہین

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳ - اور تلاش مجھ کو کرنی پڑی ہے مین بہت خوشی سے اجازت دیتا ہون کہ آپ کے نزدیک اگر وہ تحقیقات صحیح ہو تو اس کا ترجمہ بھی سفرنامہ کے اول مین چھاپ دیجئے"۔ مولانا نے اس خط مین مولوی عبدالرزاق صاحب کو جو ہدایت کی تھی الحمد للہ کہ اس کے مطابق انھون نے سفرنامہ کا ترجمہ کیا اور تمام کتاب پر مفصل نوٹ لکھے اور یہ سفرنامہ عنقریب پریس مین جانے والا ہے۔

وہ خود فرماتے ہین۔

"اس مین ہر فرقہ اور ہر گروہ پر چوٹ ہے اور پر لطف پیرایہ مین فقرے بیان کئے گئے ہین۔

(۱) المذہب، اعلان جنگ (۲) الدین، تقلید آبا و اجداد (۳) العلم، قسمے از جہل مرکب (۴) الامتحان، آزمایش لیاقت ممتحنان (۵) الیونیورسٹی، کارخانہ کلرک سازی (۶) المسلمانان ہند، چون مار گزیدہ از ریسمان ترسندگان (۷) العلیگڈہ پارٹی، شہیدِ وفا (۸) العلیگڈہ کالج، پرورشگاہِ طفلان بدست مائندران (۹) الانجمن ہائے اسلامیہ، سبزۂ پرشگال (۱۰) الاتفاق در مسلمانان، چون اجتماع در نقیضین (۱۱) الرئیس۔ آنکہ از ریاست بے خبر باشد (۱۲) الامیر۔ آنکہ تہیدست و قرضدار باشد (۱۳) المولوی، آنکہ مسلمانان را از دائرہ اسلام خارج مے کردہ باشد (۱۴) الواعظ، آنکہ در تفریق بین المسلمین خطا نہ کند (۱۵) الشکار، بہانہ آدم کشی، (۱۶) الکمیشن، وجہ موجہ برائے فیصلہ یکطرفہ (۱۷) النیشنل کانگرس، در حق تعلیم ہند چون بغاوت ۱۸۵۷ء در حق اسلحہ اہل ہند

مولانا کو عربی علم ادب کا شوق جہانگیر آباد مین پیدا ہوا اس کی نسبت خود تحریر فرماتے ہین کہ " ادب عربی کسی باقاعدہ استاد سے نہین پڑھا تھا نہ کسی ادیب سے اصلاح لی تھی مگر چونکہ لٹریچر سے فی الجملہ مناسبت تھی لغات کی مدد سے آسان آسان کتابین دیکھنے لگا اور فارسی اردو کے علاوہ عربی نظم و نثر مین بھی حیناً فحیناً خامہ فرسائی کرتا رہا " اس مطالعہ سے ان کو عربی علم ادب پر بھی کافی قدرت حاصل ہو گئی تھی اور چونکہ مصر و بیروت وغیرہ مین جو نئی کتابین شایع ہوتی تھین اُن کو منگواتے اور دیکھتے رہتے تھے اسلئے ان کا عربی ادب بہت بلند ہو گیا تھا عربی مین شعر بھی کہتے تھے لیکن کم البتہ نثر کا حصہ زیادہ تھا۔ سنہ ۱۸۹۴ء مین " حیات جاوید " کی تصنیف کے ساتھ ہی ساتھ سرسید کے بڑے بڑے کام اور کسی قدر اُن کی زندگی کا حال عربی مین بھی لکھنا شروع کیا تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مختلف اسباب سے وہ اس کام کی تکمیل نہ کر سکے۔

سنہ ۱۹۱۳ء مین جبکہ اُن کو زندگی کی طرف سے ایک حد تک مایوسی ہو گئی تھی انھون نے اپنے فارسی اور عربی کلام کا مجموعہ پریس مین طبع ہونے کے لئے بھیجا تھا۔

اس شہرت علمی اور قبولیت عام کے علاوہ جو مولانا کو علمی حلقون مین

ہی نہین بلکہ طبقہ عوام مین بھی حاصل تھی سلطنت کی طرف سے بھی انکی عالمانہ قابلیت اور علمی خدمات کی قدرشناسی کی گئی اور ۱۹۰۴ء مین ان کو "شمس العلما" کا خطاب عطا کیا گیا۔

(۶)

ان خدمات قومی کے ساتھ مولینا نے اپنے وطن مین جو تعلیمی خدمات انجام دین وہ بھی نہایت قیمتی ہین اس سے تو کوئی انکار نہین کرسکتا کہ علی العموم قصبات مین شرفا کی آبادی زیادہ ہوتی ہے اور ان کی تباہی و بربادی کے نظارے بھی وہین زیادہ نظر آتے ہین پانی پت کی قدیم عظمت سے قطع نظر کرکے اس وقت بھی وہ ایک مشہور قصبہ ہے جہان زیادہ تر شریف خاندان آباد ہین اور ہمیشہ وہان درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہا ہے وہان کے حفاظ تمام ہندوستان مین مشہور ہین لیکن انگریزی تعلیم کا بجز چند گھرون کے چرچا نہ تھا اور اگر ہوتا بھی تو پانی پت سے باہر ابتدائی تعلیم کے مصارف کا تحمل نا ممکن تھا مولینا نے اس کمی اور نقصان کو محسوس کرکے اپنی ذاتی سعی و کوشش سے ۱۹۰۱ء مین ایک مڈل اسکول قائم کرایا اور جب اس کی طرف سے کسی قدر اطمینان ہوا تو باشندون مین علمی مذاق قایم رکھنے کے لئے ایک پبلک لائبریری کی بنیاد ڈالی اور عرصہ تک اس کا اہتمام اپنے ہاتھ

مین رکھا اور ہمیشہ نادر اور عمدہ کتابین اسکے لیے فراہم کرتے رہے۔

جب مڈل اسکول اچھی طرح چلنے لگا تو اس کو ہائی اسکول کے درجہ پر پہنچانے کی کوشش کی چندون کی وصولی اور سرمایہ کی فراہمی کے لئے قرب و جوار کے مقامات کے دورے کئے اب وہ حالی میموریل ہائی اسکول کے نام سے قائم ہے اور ان کے قابل فرزند خواجہ سجاد حسین صاحب کی نگرانی مین کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے۔

مولینا کو صرف لڑکون کی ہی تعلیم اور حالت پر توجہ نہین تھی بلکہ وہ لڑکیون کی تعلیم کو بھی ضروری جانتے تھے اپنے خاندان کی لڑکیون کو تعلیم دلانے پر اکثر اپنے اعزا کو توجہ دلاتے رہتے تھے لیکن اس طرح جدا جدا ہر گھر مین تعلیم کا انتظام بہت مشکل تھا اس لئے انھون نے ۱۸۹۵ء مین ایک زنانہ مدرسہ بھی قایم کرایا اور اس کا انتظام و اہتمام اپنے ہاتھ مین رکھا

(۷)

مولانا نے ایک عرصہ تک مختلف امراض مین مبتلا رہ کر کبھی کم اور کبھی زیادہ تکالیف اٹھائین علاج بھی ہوتا رہا لیکن اقتضائے عمر کے ساتھ امراض کے سلسلہ مین اضافہ اور شدت ہی ہوتی رہی اور آخر ۱۹۱۴ء مین دو دن کی سخت تکلیف کے بعد قرآن مجید سنتے

شنبہ (۱۳ محرم ۱۳۳۳ھ ۱۳ دسمبر) کو اونکی روح نے داعی اجل کو لبیک کہا اور اُنہون نے اس درد والم سے نجات حاصل کی جس نے ۴۰ سال سے اون کے رگ و پے مین سرایت کر لی تھی اور اون کے وجود کو درد کا ایک مجسمہ بنا دیا تھا۔ مرحوم نماز جنازہ کے بعد جس مین شہر کے ہر طبقہ کے مسلمان بہ کثرت شریک تھے، پانی پت کی مشہور درگاہ قلندر شاہ مین دفن کئے گئے۔"

حالی کی قبر پر

سید ہاشمی فرید آبادی

اے جسم گرانمایہ ولے روحِ معزز!
یہ مسکنِ عزلت تجھے کس طرح سے بھایا؟

تو وہ، کہ ترا طنطنۂ اسمِ گرامی
اک کشورِ اعظم کی حدون مین نہ سمایا

اُتر کی فضا گونج گئی تیری نوا سے
دکھن کی ہواؤن نے ترانہ ترا گایا

مہتاب کی مانند ترے فیض کا پرتو
ہر سمت گیا بھیل، ہر اک خطے پہ چھایا

کیا چیز تھی اے خاک نشین! تجھ مین کہ جس نے
رتبہ ترا افلاک سے رفعت مین بڑھایا؟

ورثے مین ملی تھی نہ کوئی جاہ و امارت
کچھ دولتِ دنیا تھی ترے پاس، نہ مایا

ہان درد کہ ہے بلبلِ غم دیدہ کا حصہ
مقسوم مین تھا تیرے دلِ نرم کے آیا

ہو سکتی نہ تھی ورنہ یہ تاثیرِ جگر دوز ہر بول میں ہر راگ میں ، جو تو نے سنایا

مانا کہ وہ موضوع بہت درد بھرا تھا جس پر قلم نوحہ رقم تو نے اٹھایا
مانا کہ لکھے مرثیے اس قوم کے تو نے گیتی نے ابھی خاک میں تھا جس کو ملایا
وہ نعش، مگر، عالمِ غربت میں پڑی تھی تھا سوگ میں جس کے کوئی اپنا نہ پرایا
یاد آتے تھے اب جس کے فضائل نہ محاسن اس عالمِ ناقدر نے تھا جس کو بھلایا

ہاں تو نے کیا نام کو اسلام کے زندہ اک عہدِ فراموش کو پھر یاد دلایا
پھر کیا ہے کہ اک ملّتِ خفتہ کو جگا کر خود موت کی چادر میں جو منہ تو نے چھپایا؟
کیا مشعلِ رہ کی نہیں اب ہم کو ضرورت؟ کیا ہم پہ اب اقبال کا پھر آ گیا سایا؟
کیا مرگ تری شمعِ شبستاں کا ہے بجھنا؟
کیا میں یہ یقین کر لوں کہ وقتِ سحر آیا؟

بھوپال

زبیری

محمد امین - مارہروی

۲۱ اکتوبر ۱۹۲۵ء

اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ

علیگڈہ کے بعد اس صوبہ میں سب سے قدیم اور مشہور اسلامی مدرسہ ہے جہاں تعلیم ذہنی کے ساتھہ مذہبی اور جسمانی، تربیت کا بھی بہترین انتظام ہے - ہندوستان کے ہر صوبہ کے طلبا یہاں تعلیم پاتے ہیں- دارالاقامہ میں متعدد قابل اُستاد اور علما، بچوں کی نگرانی اور تعلیم و تربیت کی غرض سے اُن کے ساتھہ رہتے ہیں- مفصل حالات کے لئے دستورالعمل طلب فرمائیے -

محمد الطاف حسین بی اے (علیگ)

ہیڈ ماسٹر